بسمہٖ تعالیٰ

اگر انسان کی کاوش خدا کی بھی نوازش ہو!
تو بن جاتا ہے ذرہ آفتابِ آسماں ساقی

ذرّہ سے آفتاب

(تصحیح واضافہ شدہ)

خاندیس کے کچھ سیاسی حالات، مقامات، اولیائے کرام کے احوال، علمی سرگرمیوں، اکل کوا کا پس منظر، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم کا قیام اور اُس کی نمایاں خدمات

حسب ایماء

ناظم تعلیمات حضرت مولانا حذیفہ صاحب وستانوی
جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

تالیف

مولانا زبیر صاحب اعظمی/مولانا نظام الدین صاحب قاسمی

ناشر

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، ضلع نندوربار، مہاراشٹر-۴۲۵۴۱۵

فہرست مضامین

ضروری وضاحت	9
انتساب	10
گزارش احوال واقعی	12
کتاب کا نام ''ذرّہ سے آفتاب'' کیوں؟	14
اور اب آخری بات	16
تصنیفِ کتاب کی غرض وغایت	17
مہاراشٹر کے نام کا بتاریخی پس منظر	20
مہاراشٹر کا جغرافیہ اور اس کا محل وقوع	21
خاندیس کا مختصر جائزہ تاریخ کے آئینے میں	23
فاروقی سلاطین	28
خاندیس میں مراٹھوں کی لوٹ مار	36
اولیائے خاندیس	37
صوبۂ خاندیس کے اہم مقامات	44
خاندیس میں اسلامی درسگاہیں	54
مغلیہ دور میں عمومی تعلیمی نظام	56
تحصیلِ علم کی دشواریاں	59
اسلامی ہند میں بیرونی مسلمانوں کا خیر مقدم	60
قیام دارالعلوم دیوبند	61

کون ساطبقہ دینی تعلیم سے دور ہوگا	62
دارالعلوم نے غریبوں میں علم کی روشنی تقسیم کی	64
جنوبی ہند میں مدارس کی کمی۔خاندیس کا خانقاہی نظام اور دینی تعلیم	65
خاندیس کے دیہاتوں کی تعلیمی پسماندگی	67
اکل کوا کے نواح میں دینی تعلیم کا نظام نہیں تھا	69
روشنی تلے اندھیرا بھی ہوتا ہے	70
جامعہ اسلامیہ اکل کوا کا دروازہ پورے عالَم کے لیے کھلا ہوا ہے	71
حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی اور مولانا غلام محمد وستانوی	74
اکل کوا کے تاریخی حالات	78
مسلم برادریاں	80
اکل کوا کی ایک قابل ذکر شخصیت	84
حاجی یعقوب صاحب کا ایک خواب	85
اکل کوا کے دو مخیرّ حضرات۔مولانا وستانوی کی شخصیت	86
اکل کوا کسی مرد مومن کو آواز دے رہا تھا	92
اکل کوا میں ایک مردِ مجاہد کا ورود	96
تعلیمی حالات کا جائزہ	97
قرآن کی تعلیم سے محرومی ایک المیہ	99
مدرسہ قائم کرنے کا عزم	100
مدرسہ کا خاکہ پہلے بہت چھوٹا تھا	101

حضرت وستانوی کنتھاریہ سے اکل کوا آ گئے 102
وہ کہاں کہاں سے گزر گیا 103
ایک اہلِ خیر کا ذکرِ جمیل باقی ہے 105
مزید دو افراد کا ذکرِ خیر 108
جامعہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کا منظر 109
دیوبند امام، اکل کوا مقتدی 114
قرآن سیکھنے سکھانے والا سب سے اچھا۔ تعمیر مساجد 115
مہمانوں کی تشریف آوری 117
مکاتب و مدارس اور نصابِ تعلیم 119
جامعہ نے علم کی روشنی کہاں تک پھیلائی 121
جامعہ طبیہ کا قیام 122
جامعہ کا مکمل تعارف 123
جامعہ میں تشریف لانے والے مؤقر علمائے کرام کے اسماء 125
تأثرات زائرین 129
جامعہ سے فیضیاب ہونے والی پسماندہ مسلم برادریاں 132
تعلیم قرآن کے سلسلے میں مولانا وستانوی کا تجدیدی کارنامہ 133
تصحیح وتجوید کی اہمیت 135
مولانا وستانوی اور تعلیمِ قرآن کی نشر واشاعت 136
مسابقات القرآن 140

ضمیمہ

بانئ جامعہ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کا سوانحی خاکہ 144

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا تاسیس، خدمات اور منصوبے 146

جامعہ کے عزائم، مقاصد، اہداف، سرگرمیاں، طرزِ عمل، کامیابی اور مخلوق کی خدمت 147

Vision(عزائم)۔Mission(مقاصد) 147

Aims and Objectives(اغراض واہداف) 148

Policy(حکمتِ عملی، طرزِ عمل) 149

Achievments(کامیابیاں)۔Activities(سرگرمیاں) 150

Religious Activities(اسلامی سرگرمیاں) 150

Humanitarin services(عام انسانی خدمت) 151

خدمات اور منصوبے 151

جامعہ اکل کوا کے تعلیمی شعبہ جات کی کارکردگی بہ یک نظر 152

تعلیمی شعبے 153

شعبۂ دینیات 154

نصابِ تعلیم شعبۂ دینیات 155

شعبۂ تحفیظ القرآن۔شعبۂ حفظ کا نظامِ تعلیم 156

طریقۂ تعلیم 157

مجوزہ نصاب (تجوید) برائے درجاتِ حفظ۔شعبۂ عالمیت 158

نصابِ شعبۂ عالمیت 159

شعبۂ افتاء۔شعبۂ افتاء کا نصاب	165
شعبۂ انگریزی زبان وادب۔شعبۂ تجوید وقراءت	166
تجوید وقراءت کا مجوزہ نصاب (برائے شعبۂ عالمیت)۔شعبۂ کمپیوٹر	168
شعبۂ تدریب المعلمین والائمہ۔لائبریری	169
جامعہ کا تربیتی نظام	170
عصری تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے تربیتی نظام	171
دینی ماحول میں عصری تعلیم کا آغاز	173
جامعہ کامپلیکس کی خصوصیات اور سہولتیں	174
عصری شعبہ جات	175
انڈسٹریل ٹریننگ سینٹر (آئی ٹی آئی)۔احمد غریب یونانی میڈیکل کالج	175
جامعہ پالی ٹیکنک کالج اکل کوا۔ علی الانہ ڈپلوما فارمیسی کالج	176
ڈگری فارمیسی کالج۔پرائمری اسکول (اردو۔انگلش میڈیم)	177
ہائی اسکول جونیر کالج	177
بی ایڈ کالج۔ڈی ایڈ (مراٹھی-اردو میڈیم) کالج۔ڈپلوما عربی کورس	178
آفس آٹومشین کورس۔ٹیلرنگ کورس	179
امبرائڈری کورس۔جلد سازی کورس	180
آپٹیکل کورس۔مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی اسٹڈی سینٹر	181
سافٹ ویئر ڈیلوپمینٹ۔شعبۂ حفظان صحت۔السلام ہاسپٹل	182
میڈیکل کیمپ	183

کچھ دیگر طبی منصوبے اور پروگرام۔ جامعہ کی سماجی خدمات	184
بورویل۔ خدمت بیوگان۔ عبادت خانے	185
شعبۂ مساجد	186
حُجاج کے قافلے۔ امدادِ مدارس۔ غریبوں کی شادی میں تعاون	187
مکانات کی تعمیرات۔ معذوروں کا تعاون۔ افطار وسحر کا اہتمام	188
عیدالاضحیٰ میں قربانی	189
جامعہ میں دعوت وتبلیغ کی محنت۔ جامعہ اور اس کی عمارتیں	190
جامعہ کی اقامتی شاخوں اور مکاتب کا مختصر جائزہ۔ رہائشی مراکز	193
جامعہ اکل کوا کے اساتذہ وطلبہ کی تعداد۔ مدرسۃ البنات ایک نظر میں	198
مدرسۃ البنات کا چار سالہ نصاب تعلیم	199
اسکالرشپ	202
جزوی تعاون برائے اسکول وکالج۔ شعبۂ نشر واشاعت	203
مطبوعات جامعہ	206
نصاب سے زائد مفید منصوبے۔ مسابقاتی مہم	208
انجمن اصلاح الکلام۔ النادی العربی	209
لجنۃ القراءت والتجوید۔ انجمن ثمرۃ التربیۃ۔ مسابقے	210
مطبخ	213
شعبۂ محاسبی۔ مستقبل کے عزائم اور منصوبے	215
جامعہ بیک نظر	216

جملہ حقوق بحق جامعہ محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب : ذرہ سے آفتاب
نام مؤلف: مولانا زبیر صاحب اعظمی/مولانا نظام الدین صاحب قاسمی، سیتامڑھی
کمپوزنگ : رفیق احمد اشاعتی کٹیہاری
سیٹنگ : محمد مہر علی قاسمی (دھنباد، جھارکھنڈ) جامعہ اکل کوا
تعداد : ۱۱۰۰
سن اشاعت دوم: ۲۰۱۲ء

ملنے کا پتہ

شعبۂ نشر واشاعت جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

ضروری وضاحت

’’ذرّہ سے آفتاب‘‘ مولانا زبیر صاحب اعظمی کی مُرتَّب کردہ کتاب ہے جو ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی تھی، اُس وقت جامعہ کا خاکہ وہی تھا۔ اب الحمدللہ! جامعہ کافی ترقی کرچکا ہے، اس لیے اب جامعہ کی ترقیات کو دیکھتے ہوئے مزید تصحیح و اضافے کی ضرورت محسوس ہوئی؛ چناں چہ موصوف کی تحریر کو من وعن رکھتے ہوئے مزید تصحیح و اضافے کے ساتھ دوبارہ اس کو شائع کیا جارہا ہے۔ اس اضافے میں تاریخِ خاندیس سے پہلے مہاراشٹر کا جغرافیہ اور مہاراشٹر نام رکھنے کی وجوہات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز جامعہ کے زائرین میں مزید ناموں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ بقدرِ ضرورت کہیں کہیں ترمیم بھی کی گئی ہے۔

(مولانا) نظام الدین قاسمی سیتامڑھی

Mob 8180963955

۳/۴/۲۰۱۲ء

انتساب

حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی کے

نام

جن کی سعیٔ پیہم اور جہد مسلسل کی بدولت آج ہزار ہا ہزار بچے گیت گانوں سے بھری ہوئی دنیا میں تلاوتِ قرآن کی پاکیزہ صدائیں کائنات کی فضائے بسیط میں بکھیر رہے ہیں۔

نیز

عیش وعشرت کے طلبگار لاکھوں طلبہ سے الگ رہ کر رضائے الٰہی کی خاطر صرف دینی علوم حاصل کرنے کے لیے راحت و تنعیم سے بے نیاز ہوکر ہر حال میں جینے اور دین کو زندہ رکھنے کا سلیقہ سیکھ رہے ہیں۔

محمد زبیر اعظمی

ایک عالم تھے ہزاروں کی طرح وستانوی
جامعہ قائم کیا ، پھر کیا سے کیا وہ ہو گئے

سمرقند و بخارا کے مناظر دیکھنے آؤ
علومِ دین کا مرکز بن گیا اکل کوا ساقی

مجاہد جب بڑھاتا ہے قدم تاریک راتوں میں
فلک کے چاند تارے روشنی اس کو دکھاتے ہیں

اے دوست التفات کے قابل جو کل نہ تھا
وہ ذرّہ رشکِ رُخ آفتاب ہے!

گذارشِ احوالِ واقعی

تین چار سال پہلے میں جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا میں ایک سال تک تدریسی خدمت انجام دے چکا ہوں۔ اُسی وقت سے بارہا یہ خیال آتا رہا کہ یہ ادارہ چوں کہ علاقۂ خاندیس میں واقع ہے، اس لیے کیوں نہ مدرسہ کے قیام اور اس کی خدمات کا ایک جائزہ پیش کر دیا جائے ساتھ ہی خاندیس کے تاریخی حالات پر بھی ایک نگاہ ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ عہد قدیم سے لے کر ماضی قریب تک اس خطہ میں دینی تعلیم کا کیا نظام تھا۔

ہم کو اس امر کا اعتراف ہے کہ آج تک ہمیں کورس کی تاریخی کتابوں میں خاندیس و برار کا مختصر مختصر بیان ہی پڑھنے کو ملا تھا۔ الگ سے خاندیس کے حالات پر چھوٹی بڑی کوئی تاریخی کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری تھی۔ اور نہ کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس ہوئی تھی۔ چناں چہ جب جستجو ہوئی تو دو کتابیں ہمارے ہاتھ آئیں:

(۱) تاریخ خاندیس، از قاضی عبدالرحیم دھولیوی

(۲) تاریخِ خاندیس کے بکھرے اوراق، از پروفیسر اکبر رحمانی

مذکورہ دونوں کتابوں کے مصنفین نے کافی عرق ریزی سے بہت سی کتابوں، دستاویزات اور مخطوطات کی چھان بین کے بعد اپنی اپنی کتاب تیار کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خاندیس کے تاریخی حالات کسی ایک کتاب میں موجود نہیں تھے۔ چناں چہ انہوں نے تنکے چن چن کر آشیانہ بنایا اور ان کی آشیانہ گری تحسین وستائش کی مستحق ہے۔

راقم الحروف نے جب ان کتابوں کا مطالعہ کیا تو اول الذکر کتاب ہر چند کہ بہت

چھوٹی اور مختصر تھی لیکن اسی کی رفاقت زیادہ تر میرے تصنیفی سفر میں کام آئی چناں چہ اس کتاب کا بیشتر حصہ تھوڑی سی لفظی تبدیلی اور اختصار کے ساتھ کتاب میں شامل کرلیا گیا۔

آخر الذکر کتاب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ خاندیس کے کچھ دینی مدارس کا مجھے علم ہوا جس کی مجھے حد درجہ تلاش تھی۔ یہ حصہ بھی کتاب میں شامل ہے۔

میں مذکورہ دونوں مصنفین کے لیے اپنے دل میں جذبۂ تشکر و امتنان رکھتا ہوں آگے کے صفحات میں جہاں سے جامعہ اکل کے بارے میں خامہ فرسائی کی گئی ہے وہ خود میرا اپنا مشاہدہ ہے جہاں کہیں کسی بات میں تردد ہوا واقف کاروں سے دریافت کرکے اطمینان کرلیا گیا۔ جامعہ کے تعلق سے جو کچھ بھی معرض تحریر میں لایا گیا ہے اس میں حقیقت بیانی سے ہی کام لیا گیا ہے، دیدہ و دانستہ اصلیت سے انحراف کے جرم کا ارتکاب نہیں کیا گیا ہے، البتہ کہیں کہیں پیرایۂ بیان میں خوشنما الفاظ و تراکیب و تخیل کا رنگ و روغن اس طرح لگا دیا گیا ہے کہ سلاست اور اصلیت بھی مجروح نہ ہو اور تھوڑا سا تفنن اور تنوع بھی پیدا ہو جائے تاکہ کتاب کے دسترخوان پر بیٹھنے والے ہر قاری کو اپنی پسند کا چند لقمہ ضرور مل سکے۔ اب یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوسکا ہوں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کئے بغیر آگے بڑھ جاؤں، سب سے پہلے میں مفتی محمد اشفاق صاحب سورتی (سابق ناظم مدرسہ انوار العلوم جلگاؤں) مقیم حال بریڈفورڈ لندن کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے جامعہ اکل کوا کی شاخوں کے محل وقوع کے حالات وہاں سے منگوانے میں میرا پورا پورا تعاون کیا۔ ساتھ ہی میں جامعہ اکل کوا کے مشہور و مقبول استاذ مولانا عبدالرحیم کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فریضہ سمجھتا ہوں جنہوں نے کتاب کا مسودہ پڑھنے کے بعد مجھے متعدد صائب مشورے

دیئے جن پر عمل کر کے مجھے بڑا اطمینان ہوا۔

کتاب کا نام ''ذرہ سے آفتاب'' کیوں؟

کسی مدرسہ کے حالات کے بیان میں ''احوال وکوائف'' یا ''ذکر وتذکرہ'' یا ''خدمات'' یا ''اپنی کارکردگی کے آئینہ میں'' یا اسی طرح کا کوئی لفظ اور فقرہ اختیار کرنے کا دستور رائج ہے، لیکن جامعہ اکل کوا کی عظیم خدمات اور شہرت ومقبولیت اور ضخامت وفخامت کے پیشِ نظر اِس قسم کے سارے الفاظ بہت ''بونے'' نظرے آئے، بنابریں کسی ایسے لفظ یا نام کی تلاش ہوئی جو قاری وسامع کو غور وفکر کرنے اور سوچنے پر مجبور کردے کہ اس دانش گاہ کے دامن میں یقیناً کچھ ایسے گوہر آبدار ٹنکے ہوئے ہیں جن کی آب وتاب عام مدارس سے کچھ زیادہ ہی امتیاز رکھتی ہے۔ چناں چہ سوچ بچار کے بعد ہر چند کے بہت سے ناموں نے ذہن کے دروازے پر دستک دی لیکن اِسی نام یعنی ''ذرّہ سے آفتاب'' پر نگاہ ٹھہر گئی طبیعت کو اطمینان ہوا اور دِل کچھ اس طرح اس نام کے حسن وجاذبیت کے بندھن کا اسیر ہو گیا کہ کسی قیمت پر کوئی دوسرا نام قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوا، چناں چہ کتاب کا یہی نام رکھنے پر فیصلہ کی مہر لگ گئی۔

کتاب کا نام سُن سن کر لوگ نہ جانے کیا کیا مطلب نکالیں گے، اِسی لیے اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے، اس سلسلہ میں جو اہم بات ہے وہ یہ ہے کہ ''ذرّہ'' کا مرجع کیا ہے؟ چناں چہ عرض ہے کہ اس کا مرجع متعین کرنے کے بارے میں کئی احتمالات ہیں اور سب کے لیے وجہ جواز موجود ہے؛ مثلاً:

اس کا مرجع مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کی ذاتِ گرامی کو بھی بنایا ہے جا سکتا

ہے کیوں کہ معلوم ہی ہے کہ آں محترم نے دار العلوم کنتھاریہ میں تدریسی خدمت انجام دیتے ہوئے اکل کوا میں جامعہ کی داغ بیل ڈالی۔ لیکن اس کے تقاضوں کے پیشِ نظر دس سال کی مدرسی کو خیر باد کہا اور کنتھاریہ چھوڑا کر اکل کوا قیام کرنے پر مجبور ہوئے۔ آپ نے مشیّتِ خداوندی کے سبب ہی اکل کوا کو اپنا مستقر بنایا لیکن ظاہر بیں نگاہیں یہی کہتی ہیں کہ اگر آپ پوری زندگی کنتھاریہ میں گزار دیتے تو ایک آزادصفت پرندے کی ''برق رفتار'' پرواز ایک مدرسہ کی چہار دیواری میں گھُٹ کر اور سمٹ کر رہ جاتی۔ پس یقیناً جامعہ کی خدمت میں لگنے کے بعد ہی آپ کے جوہر کھلے اور آپ کی شہرت ومقبولیت کو چار چاند لگے۔ اور اس طرح لگے کہ ''وستانوی'' محض ایک نام ہی نہیں رہا بل کہ اشاعتِ علم دین وتجوید قرآن، بناءِ مدارس، اقامتِ مکاتب اور تعمیرِ مساجد کا ایک Symbol اور علامتی نشان بن گیا۔ اِس طرح اگر آپ کو ''ذرّہ'' فرض کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ وہ سورج کی شکل میں تبدیل ہو گیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ لیکن کتاب کے نام سے میرا یہ مقصود نہیں ہے۔

اب دوسرے ممکنہ مشارالیہ کی طرف نظر اٹھائیے!

اگر ''ذرّہ'' سے اکل کوا کی بستی مراد لی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، ظاہر ہے کہ یہ بستی گمنامی کی دبیز تہوں میں اس طرح مستور تھی کہ سولہ سال پہلے ضلع کے بیشتر لوگوں کو اس کا نام بھی معلوم نہیں تھا۔ اور آج وہی مقام جامعہ کے قیام سے اس قدر مشہور ہو گیا کہ اب یہ عجیب سا نام ہندوستان کے حصاروں سے نکل کر بیرون کے چمن زاروں میں پہونچ گیا ہے۔ اب اگر اس کو ذرہ قرار دے کر کہا جائے کہ اس نے مہر وماہ جیسی شہرت وچمک دمک پالی ہے تو یہ بھی ایک حقیقت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا مگر یہ بھی راقم کا منشا نہیں ہے۔

اور اب آخری بات!

اکل کوا کے ایک چھوٹے سے محلّہ ''مکرانی پھلی''میں آج سے سولہ سال پہلے ایک چھوٹا سا مدرسہ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم کے نام سے قائم کیا گیا تھا، جو چشم زدن میں ایک عظیم دانش گاہ اور ہمالیہ پیکر دبستان بن گیا۔ کسی ادارہ کے لیے سولہ سال کی مدت کو پلک جھپکنے کا وقفہ اگر نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے۔ لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہی ''ذرۂ بے مقدار'' آج علم کا آفتاب بن کر ضیا پاشی کررہا ہے، یعنی ایک ذرّہ ''ذرّہ سے آفتاب''بن گیا۔ بس ناچیز تذکرہ نویس کا اشارہ اسی طرف ہے۔

وماتوفیقی الا بالله

محمد زبیر اعظمی

فاضل دیوبند، ایم اے، بی ایڈ (علیگ)

متوطن مقام و پوسٹ ایولہ، ضلع ناسک

۲۲ر فروری ۱۹۹۷ء

تصنیف کتاب کی غرض وغایت

گزشتہ پندرہ برسوں میں عام مسلمانوں نے بالخصوص ان لوگوں نے جنہیں قرآن کی تعلیم اور دینی علوم کے ساتھ شغف ہے یا جن لوگوں کو اسلامی مدارس ومکاتب سے دلچسپی ہے، انہوں نے جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کا نام ضرور سنا ہوگا۔ صرف مدرسہ کا نام سن کر لوگوں کو کچھ زیادہ تعجب نہیں ہوگا، کیوں کہ آزادی کے بعد سے آزادی کے پہلے کی نسبت چھوٹے بڑے بہت زیادہ مدارس ملک کے طول وعرض میں قائم ہو چکے ہیں جن میں بعض کا شمار بڑے دینی اداروں میں کیا جاتا ہے، لیکن ایک گمنام مقام ''اکل کوا'' کا نام سن کر لوگوں کو بہت اچنبھا ہوا ہوگا، یہ نام بہت ہی نامانوس اور غیر متعارف ہے، ہمیں یقین ہے کہ خود وہ لوگ جو خاندیس کے علاقہ میں آباد واجداد سے آباد ہیں، ان میں سے بھی بیشتر لوگوں نے شاید ہی یہ نام سنا ہو، اور سننے کے بعد یہ معلوم کرکے کہ یہ خاندیس ہی میں ضلع نندوربار کا ایک چھوٹا سا تعلقہ (تحصیل مقام) ہے، انہیں حد سے زیادہ حیرت ہوئی ہوگی اور وہ اس کی کھوج میں مصروف ہوئے ہوں گے کہ یہ بستی کہاں ہے؟ کس جگہ ہے اور اس کا محل وقوع کہاں ہے تو لیجئے اس کی وضاحت پیشِ خدمت ہے۔

آپ دھولیہ سے انکلیشور اور بھروچ کی طرف جانے والی سڑک پر سفر کیجئے، آپ کو دھولیہ کا مشہور تعلقہ ''شہادہ'' راہ میں اسّی پچاسی کلومیٹر کے فاصلے پر ملے گا پھر مزید پچاس کلومیٹر کا سفر کیجئے۔ اور لبِ سڑک ایک چھوٹی بستی کا نظارہ کیجئے جو گھاس پھوس، کھپریلے مکانوں اور کچھ پکّے گھروں پر مشتمل ہے۔ یہی ہے مقام اکل کوا جس کے نام کا شہرہ اب ہند ہی نہیں بیرون ہند بھی پہنچ چکا ہے اور آج ایسے بہت کم لوگ ہوں گے جو اس

نام سے ناواقفیت اور لاعلمی کا اظہار کریں۔ اِسی مقام پر آج سے ۱۶؍سال پہلے ایک مدرسہ قائم کیا گیا (تفصیل بعد میں آئے گی) جس نے ایک جامعہ کی شکل میں اختیار کر لی۔

سچ مچ جامعہ، صحیح معنوں میں جامعہ یہ کہنا اس لیے ضروری ہے کہ آج ہندوستان خاص کر مہاراشٹر میں جامعہ کے لفظ کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوئی ہے۔ آج جب چھوٹے چھوٹے مکاتب کے ساتھ بھی جامعہ کا ''دم چھلہ'' لگا ہوا ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ نامی گرامی اور بھاری بھرکم مدارس کے ساتھ کون سا نیا لفظ ایجاد کر کے لگایا جائے۔

بہر حال قصہ مختصر یہ کہ جب اکل کوا خاندیس ہی کی ایک بستی ہے یا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں ایک بہت بڑا مدرسہ ہے تو قدرتی طور پر یہ جاننے کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے کہ زمانۂ قدیم میں خاص کر مسلمان سلاطین اور مغلوں کے زمانے میں خاندیس میں علمِ دین کا کتنا رواج تھا؟ قرآن کی تعلیم کا کیا انتظام تھا؟ شریعت کی تعلیم وتعلّم کا کیا بندوبست تھا اور آج کیا صورتِ حال ہے، پھر ان باتوں کی روشنی میں ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ جامعہ اکل کوا کے قیام ضرورت تھی یا نہیں یا یونہی ''فرطِ شوق'' اور جذبۂ ناموری سے سرشار ومغلوب ہو کر ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالی اور اگر ضرورت تھی تو اس کے اثرات، نتائج اور ثمرات کیا ظہور پذیر ہوئے۔ چناں چہ تاریخ خاندیس کا ایک سرسری جائزہ لینے کے بعد ہی یہ فیصلہ ہوگا کہ یہاں مدرسہ کا قیام ایک بروقت اور صحیح اقدام تھا یا نہیں، سلاطین کی باہمی چپقلش، راجاؤں راجوڑوں کی ایک دوسرے پر چڑھائی، آپسی جھڑپ نوک جھوک اور جنگ وجدل ہمارا موضوع نہیں ہے پھر بھی چوں کہ ناظرین کی افتادہائے طبع اور پسند وناپسند بہت ہی مختلف ہوتی ہیں اس لیے ضمناً کچھ ایسے تذکرے بھی نہایت اختصار کے ساتھ شامل کتاب ہو جائیں گے تا کہ ایک طرف اگر ان امور کا ذکر ''زیب داستاں''

ثابت ہوتو دوسری جانب سب کی ضیافت طبع کا کچھ نہ کچھ سامان اپنی بساط کی حد تک فراہم ہوجائے۔

چناں چہ ہم اس سلسلہ میں مشہور سلاطین کا مختصر حال تحریر کرکے بالکل آخر میں یہ جائزہ لیں گے کہ علم دین کی سرگرمیاں یہاں کتنی تھی اور خود یہاں کے لوگ اسلامی زیور سے کتنا آراستہ تھے۔ اور خاندیس کے مختلف حصوں میں دینی درسگاہوں اور دینی تعلیم کا کس حد تک رواج تھا۔ پھر حقائق کی روشنی اور دن کے اجالے میں جامعہ اکل کوا اور اس کی شاخوں کا جائزہ لیا جائے گا کہ ان سے قوم مسلم کی ایک اہم دینی و تعلیمی ضرورت پوری ہورہی ہے یا نہیں، یا یہ کہ ان کا قیام بے مقصد و معنی اور سستی عزت وشہرت کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اگلے صفحات میں مہاراشٹر اور خاندیس کا مختصر تاریخی جائزہ پیش خدمت ہے۔

مہاراشٹر کے نام کا تاریخی پس منظر

تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک کی آزادی سے پہلے

مہاراشٹر کا نصف حصہ صوبۂ گجرات میں تھا اور نصف حصہ دکن میں تھا۔ ملک کی آزادی کے دس سال بعد یکم مئی ۱۹۶۰ء میں مہاراشٹر کا وجود عمل میں آیا۔

مہاراشٹر کی تاریخ پڑھنے سے قبل ہمارے لیے مہاراشٹر کے نام کے تاریخی پس منظر کو جاننا ضروری ہے۔ جنوبی ہند کے اس خطے کو کون سے عہد سے مہاراشٹر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اور اس کے معنی کیا ہیں؟ مہاراشٹر کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پہلے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان باتوں سے واقف ہوں ۔لیکن ابھی تک اس سلسلے میں کوئی ٹھوس معلومات حاصل نہیں ہوئی ہیں۔ مؤرخین صرف قیاس آرائیوں سے کام لیتے رہے ہیں۔

1500 قبل مسیح سے کچھ پہلے آریاؤں نے دریائے سندھ کو پار کر کے شمالی ہند کے میدانوں میں اپنی بستیاں آباد کیں۔ آریاؤں کے بود و باش کے ان ابتدائی علاقوں کو ' آریہ ورت' کہا جاتا ہے۔ جب آریاؤں نے شمالی ہندوستان میں اپنی حکومتیں قائم کیں۔ تب جنوبی ہندوستان کے خطے کو 'دَکش پتھ' یا دنڈ کارنے' کہا جاتا ہے۔

500 قبل مسیح میں آریا گروہوں کی شکل میں ست پڑا کے پہاڑی راستوں کے ذریعہ دکش پتھ میں داخل ہوئے اور اپنی بستیاں بسانے لگے۔ آریاؤں کا سامنا دکش پتھ کے مقامی باشندوں سے ہوا۔ آریاؤں نے انہیں 'رٹھ' اور '' مہارٹھ'' جیسے مختلف ناموں سے مخاطب کیا۔ لفظ 'مراٹھا' انہی الفاظ کا ہم ریشہ ہے۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ 'مہارٹھ' لوگوں کے

دیش کو ''مہارٹھ راشٹر'' کہا جانے لگا۔ جو بعد میں کثرت استعمال سے لفظ مہاراشٹر بن گیا۔

کچھ مؤرخین کا قیاس یہ بھی ہے کہ جنوبی ہند کے اس متذکرہ خطے میں عہد قدیم میں مہاروں کی بستیاں آباد تھیں۔ چناں چہ اس خطے کو 'مہاراشٹر' کہا جانے لگا۔

مگر یہ نظریہ مسترد کر دیا گیا ہے کیوں کہ بعض محققین کے مطابق ''مہار'' نامی کسی بھی فرقہ کا نام قدیم ہندوستان کی کسی بھی کتاب میں نہیں ملتا۔ مہار نامی فرقہ عہد وسطی کی پیداوار ہے۔ بہر حال مؤرخین کی اکثریت اس بات سے اتفاق کرتی ہے کہ لفظ مہاراشٹر 'مہارٹھ' سے ہی بنا ہے۔

ایک مؤرخ نے مہاراشٹر کی سیدھی سادی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ مہاراشٹر کسی نسلی بنیاد پر رکھا گیا نام نہیں ہے بل کہ یہ نام علاقے کی وسعت کی وجہ سے پڑ گیا ہے یعنی مہا+ راشٹر (عظیم ریاست) یا ہوسکتا ہے کہ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ کئی راشٹروں جیسے سیعون دیش (خاندیش) برار (ودربھ) اور کوکن وغیرہ سے مل کر بنا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی کی قدیم کتابوں میں لفظ مہاراشٹر کو باضابطہ استعمال کیا گیا ہے۔

مہاراشٹر کا جغرافیہ اور اس کا محل وقوع

مہاراشٹر جزیرہ نمائے ہند کی تاریخی سر زمین دکن کا ایک حصہ ہے۔ جہاں قدرت نے سہیادری پربت، سات مالا، اندھیادھری اور اجنتا جیسے کوہستانی سلسلے دیئے وہیں قدرت نے اس کی گود کو گوداوری، تاپی اور کرشنا جیسی مشہور ندیوں سے مالا مال بھی کیا۔ کئی جنگلات بھی اس خطے کے حصے میں آئے۔

موجودہ مہاراشٹر کا کل رقبہ 3,07,690 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کی قسمت میں

مغرب میں بحیرۂ عرب کا720 کلومیٹر کا ساحلی علاقہ آیا ہے۔ ریاست کے جنوب میں گوا، کرناٹک اور آندھرا پردیش ہیں۔ شمال میں مدھیہ پردیش اور گجرات ہیں۔ مشرق میں چھتیس گڑھ ہے۔ مہاراشٹر قدرتی طور پر چار حصوں میں منقسم ہے۔

(۱) کوکن پٹی: کوکن پٹی کے مشرق سہیادری پربت اور مغرب میں بحیرۂ عرب ہے۔

(۲) سہیادری کوہستانی سلسلہ: اس کوہستانی سلسلے کو مغربی گھاٹ بھی کہتے ہیں۔ سہیادری کی سب سے بلند چوٹی ''کلسو بائی'' ہے۔ یہی چوٹی مہاراشٹر کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔ بال گھاٹ (پونہ، احمد نگر) مہادیو (ستارہ) اجنٹہ (اورنگ آباد) یہ تمام پہاڑی سلسلہ سہیادری کا ہی حصہ ہیں۔

(۳) سطح مرتفعی علاقے: اس علاقے کو دکن کی سطح مرتفع بھی کہتے ہیں۔ خاندیش، مراٹھواڑہ اور مشرقی مہارشٹر کے کچھ اضلاع اس میں شامل ہیں۔

(۴) ست پڑا پہاڑی سلسلہ: اس پہاڑی سلسلے کو شمالی مہاراشٹر میں امراوتی ضلع میں گاول گڑھ، چکھلدرا اور نندوربار ضلع میں تورن ماڑ کہا جاتا ہے۔ اس پہاڑی سلسلے کے جنوب میں تاپی ندی اور اس سے نکلنے والی کئی ندیاں ہیں۔ اس علاقے میں امراوتی، آکولہ، واشم، بلڈانہ، جلگاؤں اور دھولیہ واقع ہیں۔

یہ تھا مہاراشٹر کا جغرافیہ۔ مہاراشٹر کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور تو وہ دور ہے جو آریاؤں کی آمد کے بعد کا ہے اور دوسرا دور مسلمانوں کی آمد کے بعد کا ہے۔ تیسرا دور انگریزوں کے آنے کے بعد کا دور ہے۔ چوتھا اور آخری دور آزادیٔ ہند کے بعد کا ہے۔ (مہاراشٹر کی مختصر تاریخ ص ۱۳ تا ۱۶)

ریاست مہاراشٹر

آج مہاراشٹر میں ۳۵/ اضلاع اور ۳۵۴/ تعلقے ہیں۔ مہاراشٹر کی راجدھانی ممبئ ہے۔ سرکاری کام کاج مراٹھی زبان میں کیا جاتا ہے۔ مہاراشٹر کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ وہ علاقے اس طرح ہیں:

شمار	علاقوں کے نام	علاقوں میں شامل اضلاع کے نام
۱	تھانے کا علاقہ (کوکن)	ممبئ، تھانے ، رائے گڑھ، رتنا گیری، سندھ دُرگ، ممبئ (اُپ نگر)
۲	ناسک کا علاقہ (خاندیش)	ناسک، احمد نگر، دھولیہ، جلگاؤں، نندوبار
۳	پونے کا علاقہ	پونہ، ستارا، سانگلی، کولہاپور، شولا پور
۴	اورنگ آباد کا علاقہ (مراٹھواڑہ)	اورنگ آباد، جالنہ، بیڑ، ناندیڑ، پربھنی، عثمان آباد، لاتور، ہنگولی
۵	امراوتی کا علاقہ (ودربھ)	امراوتی، بلڈانہ، آکولہ، واشم، ایوت محل
٦	ناگپور کا علاقہ (ودربھ)	ناگپور، وردھا، بھنڈارہ، چندر پور، گڑھ چرولی، گوندیا

خاندیس کا مختصر جائزہ تاریخ کے آئینے میں

کسی مقام، شہر، ملک اور صوبہ کا نام سنتے ہی فوراً یہ خواہش ہوتی ہے کہ معلوم کیا جائے کہ اس کا فلاں نام کیوں پڑا؟ اس کے اسباب تاریخ و واقعات کی روشنی میں کیا ہیں اور جو نام رکھا گیا وہ دراصل کس حد تک درست ہے اور اصلیت سے قریب، اس لیے ہم اس کی وجہ تسمیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

خاندیس کی وجہِ تسمیہ:

اس صوبہ کا نام خاندیس کیوں پڑا؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال وقیاسیات ہیں۔مثلاً:

(۱) کسی وقت اس علاقہ پر ''اہیر راجاؤں'' کی حکومت تھی۔اس قوم کے لوگ اپنے اوتار ''کرشن'' سے بہت عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔اسی عقیدت کے جوش میں انہیں ''کانہہ'' سے پکارا جانے لگا۔جس کے سبب یہ ''کانہہ دیش'' کہلایا جو بعد میں مرورایام کے باعث تلفظ میں تبدیل کرتے ہوئے ''خاندیس'' ہوگیا۔

(۲) انگریز مؤرخ کرنل سائیکس کی تحقیق کے مطابق مہابھارت کے زمانہ میں یہ علاقہ ''کھنڈ''یعنی جنگلات سے گھرا ہوا تھا۔اس لیے اس کو ''کھنڈ دیس'' کا نام دیا گیا جو بعد میں خاندیس ہوگیا۔

(۳) مہابھارت میں کھنڈو جنگل کا ذکر ملتا ہے۔سیاق سباق سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علاقہ اسی کے درمیان ہے اس لیے ''کھنڈو دیس'' اور پھر ''کھنڈ دیس'' ہوگیا اور آگے چل کر ''خاندیس'' کی صورت اختیار کرلی۔

(۴) لیکن اس سلسلہ میں جو صحیح ترین تحقیق ہے اور سب سے زیادہ قرین عقل وفہم ہے وہ یہ ہے کہ جب خاندیس پر فاروقی سلاطین کی حکومت تھی اس وقت یہاں کا دوسرا سلطان ''ملک ناصر فاروق'' تھا۔جس نے گجرات کے بادشاہ احمد شاہ اول سے اپنے زمانے میں اپنی حکومت کے تحفظ کے لیے مدد طلب کی تھی۔چناں چہ اس نے خوش ہوکر ملک ناصر فاروقی کو ''خان'' کا لقب عطا کیا،جس کی وجہ سے یہ علاقہ ''خاندیس'' کہا جانے لگا۔

بہرحال حقیقت کچھ بھی ہو لیکن اس علاقے کی قدامت سے کسی تاریخ نگار نے انکار نہیں کیا ہے،ساتھ ہی سبھی مؤرخین نے اس کو ''خاندیس'' کا علاقہ ہی لکھا ہے۔تاریخی

کتابوں میں ''کانہہ دیش'' یا ''کھنڈ دیش'' کا لفظ نہیں ملتا، بہر حال وجہ تسمیہ میں اس طرح کی قیاس آرائیوں کی گنجائش ہے جنھیں یکسر غلط نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ مؤرخین کا یہ تحقیقی حق ہے جو کبھی ان سے چھینا نہیں جاسکتا کیوں کہ حق کو چھینا قلم چھین لینے کے مترادف ہے۔

تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ شہنشاہِ اکبر نے اپنے عہد سلطنت میں ''خاندیس'' کا نام تبدیل کر کے ''دان دیس'' کر دیا تھا، واقعہ یوں ہے کہ اکبر اپنے عہد حکومت میں دکن اور خاندیس کو فتح کیا تھا جس کی خوشی میں اس نے فتح پور سیکری کی مسجد کا ''بلند دروازہ'' بنوایا تھا۔ اس کے فتح کے نتیجہ میں خاندیس کا اہم قلعہ ''قلعہ اسیر گڈھ'' اس کے قبضہ میں آ گیا، چناں چہ اس نے اس کے تاریخی مواد کو ضائع کرا دیا اور فاروقی سلاطین کا نام و نشان مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور جب اپنے بیٹے دانیال کو یہ علاقہ بطور جاگیر عطا کیا تو اس کا نام دانیال کی مناسبت سے ''دان دیس'' رکھا، یہ نام فیضی کا ''آئین اکبری'' میں موجود ہے۔ لیکن اس دور کی دیگر کتابوں میں یہ لفظ نہیں ملتا، خاندیس ہی ملتا ہے۔ اس طرح دیگر خیالی اور قیاسی ناموں کا سکّہ تو کیا چلتا ''خاندیس'' کے آفتاب کے سامنے ایک شہنشاہ کے دیئے ہوئے نام ''داندیس'' کا چراغ بھی نہیں جل سکا۔ اور آج سب کی زبان پر یہی نام سکۂ رائج الوقت کی طرح چلتا ہے اور نسل در نسل چلتا رہے گا، آزادی کے بعد جب لسانی بنیادوں پر صوبوں کی تشکیل دی گئی تو یہ لفظ مہاراشٹر کے نقشے سے غائب ہو گیا لیکن عوام کی زبانوں سے یہ لفظ نہیں چھن سکتا، جو نام عہد قدیم سے ''جریدۂ ہند'' پر ثبت ہو چکا ہے وہ نہ مٹ سکتا ہے نہ دب سکتا ہے۔

ملکا پور ضلع بُلڈانہ جو عجب نہیں کسی وقت خاندیس ہی کا خطہ رہا ہو کیوں کہ وہ موجودہ خاندیس سے بالکل ہی متصل ہے، وہاں ایک مرتبہ ایک جونیئر کالج میں ٹیچروں کا

رجسٹر حاضری دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ تقریباً سبھی ٹیچروں کے نام کے ساتھ ''خان'' کا لفظ دیکھنے پر میں نے پوچھا کہ کیا سب ہی ٹیچر یہاں 'خان' ہیں؟ جواب ملا کہ ''جی ہاں! یہ خان لوگوں کا دیش ''خاندیس ہے نا''۔

خاندیس کا محل وقوع:

خاندیس کا محل وقوع ایسا ہے کہ اس کو نقشہ میں دیکھنے اور سمجھنے کے لیے کچھ زیادہ دماغی کاوش کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ موجودہ مہاراشٹر کا ہی ایک حصہ ہے۔ اس کو قدرت نے ہندوستان خاص کر مہاراشٹر کے اتصال کے ساتھ ایک نمایاں اور ممتاز مقام عطا کیا ہے۔ اور اس کے حدود اربعہ پل بھر میں سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ شمال کی طرف اگر دیکھیں تو سَت پُڑا پہاڑیوں کا سرسبز و شاداب سلسلہ ہے جو نربداندی تک چلا گیا ہے۔ جنوب کی سمت آیئے تو اس کی حد اجنٹا اور چاندوڑ پر منتہی ہوتی ہے۔ مشرق میں برار تک اور مغرب میں ناسک تک ہے۔ بس اسی کے درمیان کا لمبا چوڑا امیدانی علاقہ خاندیس ہے جو عرض میں کم اور طول میں زیادہ ہے۔ گویا سیدھی ایک پٹی ہے جس کو ''خاندیس پٹی'' بھی کہہ سکتے ہیں، اس کا میدانی علاقہ ناہموار ہے لیکن اس کے ساتھ ہی خوشنما ایسا کہ ''فرحتِ نگاہ و روح'' کا سامان بھی فراہم کرتا ہے۔

آج کی بول چال میں دیس کو عام طور پر ''دیش'' بڑی شین کے ساتھ استعمال کیا جانے لگا ہے تاہم وہی پرانا نام چھوٹی سین کے ساتھ ''خاندیس'' ہی لکھنا اور بولنا اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں طرح کے تلفظ کی گنجائش ہے، جس میں عرفاً کوئی قباحت نہیں۔

خاندیس کے طبعی اور جغرافیائی حالات:

یہاں کی آب و ہوا گرم اور خشک ہے۔ زمین کی اندرونی تہوں میں پتھریلی چٹانیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں شمالی ہند کے گنگا کے میدانی علاقوں کی بہ نسبت کنوئیں کھودنا بہت دشوار کام ہے چناں چہ کنوؤں کی تعداد کم ہے۔ یہاں کی کالی مٹی حد درجہ زرخیز ہے اور جہاں پانی دستیاب ہے وہاں سبزی ترکاری، اناج اور پھلوں کی پیداوار خوب ہوتی ہے۔ دریائے تاپتی اور دریائے گرنا سے متصل علاقوں میں سرسبزی وشادابی کی بہار ہے۔ پھلوں اور پھولوں کی کثرت ہے اور ہریالیوں کا ایک کوہساری سلسلہ اپنی مثال آپ ہے، انجیر و پپیتے وافر مقدار میں اگائے جاتے ہیں جس کی صراحت ابوالفیض فیضی کی ایک عرض داشت سے بھی ہوتی ہے جو اس نے خاندیس کی سفارت کے دوران برہانپور اور احمد نگر کے سفر کے بعد شہنشاہِ اکبر کو لکھی تھی، یہاں گنے کی کاشت بھی خوب ہوتی ہے۔ لیکن جس چیز نے ہندوستان گیر شہرت حاصل کی ہے وہ یہاں کے کیلے ہیں۔ جو پکنے کے بعد کچھ ہرے ہی رہتے ہیں اور کچھ پیلے ہو جاتے ہیں، ان کی خوشبو اور ذائقہ فرحت بخش ہیں۔ خاندیس کی مٹی کیلوں کی پیداوار کے لیے خاص طور پر موزوں ہیں۔ انہیں کیلوں کو جب ملک کے دوسرے حصوں میں اُگایا گیا تو وہ ذائقہ، خوشبو اور لطافت نہیں پائی گئی۔ دراصل ہر خطہ کی مٹی کی الگ الگ خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ کیلے ضلع جلگاؤں میں بہت زیادہ اور ضلع نندوربار میں نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ ہندوستان بھر میں انہیں برآمد کیا جاتا ہے جو ''بھساول کے کیلے'' کے نام سے مشہور ہیں، بھساول بھی خاندیس میں ہی ہے اور مشہور ریلوے جنکشن ہونے کے سبب شہرت جلگاؤں اور نندوربار سے کہیں زیادہ ہے۔

فاروقی سلاطین ۱۳۷۰ءتا۱۵۹۹ء

سلطان ملک فاروقی ۱۳۷۰ءتا۱۳۹۹ء:

صوبۂ خاندیس پر دوسو انتیس (۲۲۹) تک فاروقی سلاطین کی حکومت رہی، یہاں کا پہلا خودمختار سلطان دہلی کے دور میں ایک معزز درباری سردار ''خان جہاں'' تھا جس کے ذمہ اس علاقے کی دیکھ بھال تھی۔خان جہان کے انتقال کے بعد ملک فاروقی نے شاہی لشکر میں نوکری کرلی۔وہ بڑا نشانہ باز شکاری تھا،چناں چہ فیروز شاہ تغلق نے اس کو اپنے شکار کا ہمراہی بنالیا اور پھر اس نے خوش ہوکر ملک فاروقی کو دو ہزار سواروں کے دستہ کا سردار مقرر کیا۔اس کی بہترین کارکردگی وخدمات کے عوض فیروز شاہ نے ملک فاروقی کو ''تھالنیر'' اور ''کروند'' کا علاقہ بخش دیا، بعد میں مزید بڑے بڑے عہدے عطا کئے۔ملک فاروقی نے قرب وجوار کے راجاؤں سے دوستی کرلی اور جب فیروز شاہ کی وفات ہوئی تو اس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔پھر مالوہ کے سلطان دلاور خان نے اپنی بیٹی کی شادی سلطان ملک کے بیٹے ناصر سے کردی۔

سلطان ملک فاروقی کا عہد ترقی کا زمانہ ثابت ہوا۔تجارت، زراعت اور علوم وفنون کی طرف توجہ دی گئی، رعایا خوش حال تھی، ہر طرف امن وامان تھا۔اس نے اپنے دور کے آخری پانچ برسوں میں صوبے کو خوب ترقی دی۔اس کے اقتدار میں آنے سے پہلے خاندیس میں بڑا قحط تھا، کئی ہزار ''گونڈ'' اور ''گولی'' بھوکوں مر گئے اور کچھ اِدھر اُدھر چلے گئے ملک فاروقی نے اپنی حکمت علمی اور اس وقت کی تدابیر کے مطابق قحط کا مقابلہ کیا۔تنگدستی اور بھکمری کا خاتمہ کیا اور خاندیس کو خوشحالی سے ہمکنار کیا۔

اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بڑے لڑکے ناصر کو اپنا ولی عہد کر دیا تھا اور اپنے پیر و مرشد شیخ زین العابدین دولت آبادی کا قباء بھی اس کو عطا کر دیا تھا، پھر ناصر کو ''للنگ'' اور چھوٹے لڑکے افتخار کو ''تھالنیر'' کا پرگنہ وراثت میں دیا۔ اس نے ۱۹ر برس تک حکومت کی۔ ۱۳۹۹ء میں اس کا انتقال ہوا اور تھالنیر کے حجیر ون میں مدفون ہوا۔

(۲) ملک ناصر فاروقی ۱۳۹۹ء تا ۱۴۳۷ء:

سلطان ملک فاروقی کے بعد اس کا بڑا لڑکا ملک خان فاروقی خاندیس کے تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اور حکومت کا رقبہ بڑھایا، اس کا قابلِ تعریف کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مشہور علماء کو اپنے دربار میں رکھا اور صوبہ میں تعلیم کو فروغ دیا۔ اس کا اصل نام ''ملک ناصر فاروق'' ہے۔ مگر گجرات کے سلطان نے اس کو خان کا لقب عطا کیا اس لیے ''ملک خان فاروق'' کے نام سے متعارف ہے۔ اس کی حکومت میں خطبہ میں اس کا نام پڑھا جاتا تھا۔ اسیر گڑھ کا قلعہ جو ''آسا اسیر گولی'' کے قبضہ میں تھا اس نے اس کو فتح کیا۔ جس کے سبب اس کی حکومت کافی مستحکم ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطنت کے استحکام کے لیے اس قلعہ کی بڑی ضرورت تھی، چناں چہ فتح کرنے کے بعد اس کی مضبوطی میں بہت اضافہ کیا، اس میں جو خزانہ دفن تھا وہ دو برس کے بعد شہنشاہ اکبر کو ملا۔

اسیر گڑھ پر قبضہ ہونے کے بعد ملک ناصر فاروقی شیخ زین الدین کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اسیر گڑھ چلنے کی درخواست کی۔ پیر صاحب نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ انہیں ''دریائے تاپتی'' پار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ چناں چہ ملک ناصر فاروقی نے تاپتی ندی کے مشرق میں زین آباد نامی شہر بسالیا، اور مغربی ساحل پر شیخ برہان الدین دولت آبادی کے نام پر برہان پور شہر بسایا، اور اسے خاندیس کا دارالحکومت بنایا۔ ۱۴۱۷ء میں ناصر

فاروقی نے ''تھالنیر'' پر قبضہ کیا اور اپنے چھوٹے بھائی افتخار کو قیدی بنا کر اسیر گڑھ میں نظر بند کر دیا۔ پھر ناصر نے سلطانِ گجرات کے مشورے سے دکن پر حملہ کر دیا، لیکن علاؤالدین نے ناصر سے مقابلہ کئے بغیر ہی اس کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ ناصر نے ''للنگ'' کے قلعہ میں پناہ لی۔ اس چڑھائی سے ناصر کو زبردست مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ بیس ہاتھیوں اور مال واسباب سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس غم میں وہ ستمبر ۱۴۳۷ء میں انتقال کر گیا۔ ناصر کو تھالنیر کے قلعہ میں اس کے والد کے مزار کے جوار میں دفن کیا گیا۔

(۳) میران عادل خان فاروقی ۱۴۳۷ء تا ۱۴۴۱ء:

میران عادل ملک ناصر کا بڑا بیٹا تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے سلطانِ گجرات سے مدد مانگی تا کہ علاؤالدین کے ''ملک التجار'' کا وہ محاصرہ ختم کیا جائے جو اس نے للنگ کے قلعہ کا کر رکھا ہے۔ چناں چہ سلطان گجرات کی فوج للنگ پہنچ گئی۔ زبردست لڑائی کے بعد ملک التجار کو شکست ہوئی۔ میران عادل نے صرف تین برس حکومت کی اور برہان پور میں ۱۴۴۱ء میں کسی نامعلوم دشمن کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔ اس کو بھی تھالنیر میں ہی اس کے باپ یعنی ملک ناصر کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

(۴) میران مبارک خان فاروقی ۱۴۴۱ء تا ۱۴۵۷ء:

میران مبارک خان میران عادل خان کا لڑکا تھا۔ اس نے سترہ سال حکومت کی۔ اس کا دورِ حکومت لڑائیوں سے محفوظ تھا۔ ۱۴۵۷ء میں وفات پائی اور قلعۂ تھالنیر میں دفن کیا گیا۔

(۵) میران غنی عُرف عادل خان فاروقی ۱۴۵۷ء تا ۱۵۰۳ء:

میران مبارک کے بعد اس کا لڑکا عاد خان تخت نشین ہوا۔ اپنی حکمتِ عملی سے قرب و جوار کے راجاؤں پر اپنا سکّہ جمالیا۔ بھیل اور گولیوں کی شرارتوں کا منہ توڑ جواب دے کر ملک میں امن و امان قائم کیا، برہان پور میں ''بالے قلعہ'' اور کچھ خاص عمارتیں بنوائیں۔ ۱۴۹۹ء میں گجرات کے سلطان محمود بیگڑے نے میران غنی کو شکست دے کر خاندیس میں خوب لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ اور اسیر گڑھ اور تھالنیر کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا اور اپنا بقایا محصول ادا کر کے گجرات لوٹ گیا۔ میران غنی نے ۴۶ ربرس تک حکومت کی، اس کے زمانۂ حکومت میں خاندیس کو زبردست عروج حاصل ہوا۔ ۱۵۰۳ء میں وفات پائی اور برہان پور کے ''دولت میران محل'' کے قریب دفن کیا گیا۔

(۶) داؤد خان فاروقی ۱۵۰۳ء تا ۱۵۱۰ء:

میران غنی کے لاولد ہونے کے سبب اس کا چھوٹا بھائی داؤد خان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ تخت نشینی کے چوتھے سال ہی سلطان احمد نگر نے ۱۵۰۷ء میں خاندیس پر حملہ کر دیا، داؤد خان نے اسیر گڈھ کے قلعہ میں پناہ لی۔ احمد نگر کے سلطان کی فوج نے قلعہ کا پوری طرح محاصرہ کرلیا۔ لیکن خوش قسمتی سے سلطان مالوہ کی بروقت کمک پہنچنے کی بدولت داؤد خان کو نجات ملی۔ ۱۵۱۰ء میں اس کی وفات ہوگئی۔

(۷) غزنی خان فاروقی (دو دِن کا بادشاہ):

۱۵۱۰ء میں داؤد خان کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے غزنی خان کو تخت نشینی نصیب ہوئی۔ لیکن یہ تخت نشینی اس کے حق میں 'چراغِ صبح' یا 'آفتابِ شام' ثابت ہوئی۔ چناں چہ صرف دو دن حکومت کرنے کے بعد اپنے ہی ایک سردار ملک حسام الدین کے

ہاتھوں اس کا کام تمام ہوا اور وہ زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہوگیا۔

یہ حسرت رَہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا، گُل اپنا، باغبان اپنا
یا ''روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد'' اور
دین و دنیا کو عموماً یہی کرتی ہے تباہ!
ہائے کیا چیز حکومت کی ہوس ہوتی ہے

(۸) عادل خان فاروقی ثانی ۱۵۱۰ء تا ۱۵۲۰ء:

چوں کہ غزنی خان کے اولاد نہیں تھی۔ اس لیے احمد نگر اور برار کے سلاطین چاہتے تھی کہ عالم خان کو، جس کا تعلق فاروقی سلاطین سے تھا تخت نشین کیا جائے۔ لیکن اسیر گڈھ کا ایک فوجی افسر عادل خان کو ہی سلطان بنانا چاہتا تھا۔ ''محمود شاہ بیگڑے'' جو اس وقت تھالنیر میں ہی تھا۔ اس کا بھی یہی خیال تھا کیوں کہ عادل خان اس کا نواسا تھا۔ چناں چہ بیگڑے عادل خان کی تخت نشینی کو عملی شکل دینے کے لیے خاندیس پہنچ گیا۔ احمد نگر اور برار کے سلاطین نے محمود بیگڑے سے مقابلہ کرنے کی ٹھانی لیکن بیگڑے کی فوجی طاقت اس قدر زیادہ تھی کہ نبرد آزمائی کی ہمت نہیں کر سکے اور واپس لوٹ گئے۔

سلطان گجرات محمود شاہ بیگڑے نے عادل خان کو برہانپور میں تخت شاہی پر بٹھا دیا، ساتھ ہی اس کو ''عظیم ہمایوں'' کا خطاب بھی دیا۔ اور مظفر شاہ کی بیٹی سے عادل خان کی شادی بھی کرادی۔ اس شادی میں بیگڑے نے عادل خان کو بیش بہا چاندی (تین لاکھ ٹنکا چاندی) تحفہ میں دی اور سرداروں کو جاگیروں اور انعامات سے مالا مال کیا اور گجرات لوٹ گیا۔

عادل خان کے خلاف عالم خان برابر سازشوں میں لگا رہا لیکن قسمت نے اس کا

ساتھ نہیں دیا۔ عالم خان کے تعلقات کئی فوجی افسروں خاص کر ملک حسام الدین سے بڑے گہرے تھے۔اوراس کے پاس فوج بھی اچھی خاصی تھی پھر بھی عادل خان اور بیگڑے کی گجراتی فوج نےسب کوپسپا کر دیا۔

عادل خان کے خسر مظفر شاہ نے عادل شاہ کوفوجی طاقت میں اضافہ کرنے کے لیے بارہ لاکھ ٹنکا چاندی کے سکّے دے کراس کی بڑی مدد کی۔جس سے اس کی حکومت مضبوط ہوتی گئی۔۱۵۲۰ءمیں شہر برہانپور میں اس کاانتقال ہوا۔

(۹)میران محمد خان فاروقی عرف میران محمد شاہ۱۵۲۰ءتا۱۵۳۵ء:

عادل خان کے بعداس کابڑالڑکامیران محمد خان خاندیس کاسلطان بنا۔یہ بہادرشاہ ولی گجرات کا بھانجہ تھا۔میران محمد خان نے احمد نگر کےسلطان ''نظام برہان شاہ'' پر۱۵۲۶ءمیں حملہ کر دیالیکن اس کوشکست ہوئی۔بعد میں بہادر شاہ کی فوج کا سہارا لے کر پھر حملہ کیااور فتح سے ہمکنار ہوا،جس سے احمد نگر کے سلطان نظام نے بہادرشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔

دہلی کا سلطان ہمایوں آٹھ سال بعد گجرات پر حملہ آور ہوا۔میران محمد خان نے اپنے ماموں بہادرشاہ کی مدد کرتے ہوئےلڑائی میں شرکت کی۔لیکن ہمایوں کے سخت حملہ کی تاب نہیں لاسکے۔خوش قسمتی سےعین اسی زمانے میں شیر شاہ کی سرکوبی کے لیے ہمایوں کو دہلی واپس جانا پڑا۔اب میدان خالی تھا اس لیے بہادر شاہ اور میران محمد نے مل کر ہمایوں کے سرداروں کو مالوے سے نکال دیا،پھر۱۵۳۵ءمیں میران محمد کاانتقال ہوگیا۔

(۱۰)میران مبارک خان فاروقی ۱۵۳۵ءتا۱۵۶۶ء:

میران محمد خان فاروقی کے بعد اس کا بھائی میران مبارک خان فاروقی تخت شاہی پر بیٹھاسلطان گجرات کے بھائی لطیف خان کا بیٹامحمود خان،مبارک خان کی نگرانی

میں رہتا تھا۔ گجرات کے درباریوں نے ۱۵۳۶ء میں محمود خان کو گجرات کے تخت پر بٹھا دیا۔ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ سرداروں کی لگائی بجھائی کے سبب مبارک خان اور محمود کے درمیان معرکہ آرائی بھی ہوئی جس میں مبارک خان ہار گیا۔ پھر بھی محمود خان نے قدیم تعلقات کی بناء پر مبارک خان کو سلطانپور اور نذر آباد کے پرگنے بخش دیئے۔ ۱۵۶۱ء میں مغل سردار پیر محمد خان گجرات کے سلطان سے مقابلہ کے لیے آیا۔ واپس ہوئے اس نے خاندیس میں خوب لوٹ مار مچائی۔ پھر بھی کافی نقصان اٹھایا۔ اور سب سے بڑا نقصان یہ کہ اپنے گھوڑے کے بدک جانے کی وجہ سے وہ دریائے نربدا میں ڈوب کر مر گیا۔

مبارک خان فاروقی کا ۱۵۶۶ء میں انتقال ہوا۔ اس نے ۳۱ رسال حکومت کی۔

(۱۱) میران محمد خان فاروقی ثانی ۱۵۶۶ء تا ۱۵۷۶ء:

مبارک خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا میران خان ثانی سریر آرائے سلطنت ہوا۔ چند ماہ بعد ہی گجرات کے ایک سردار نے خاندیس پر حملہ کر دیا لیکن سلطان برار نے میران محمد ثانی کی مدد کی جس سے گجرات کے سردار کو بھاگنا پڑا، چند سرداروں کی خواہش تھی کہ میران محمد خان گجرات کے تخت کا بھی مالک ہو جائے چناں چہ اس نے گجرات پر حملہ کر دیا، لیکن تمام مال واسباب سے ہاتھ دھونا پڑا، اور ہزیمت بھی اٹھانی پڑی۔ اس زمانے میں شہنشاہ اکبر کے کچھ مرزائی سرداروں نے بھی خاندیس میں لوٹ مار مچائی لیکن بالآخر فرار ہو گئے۔ میران محمد خان کی پریشانی اور مشکلات میں اسی وقت اور اضافہ ہوا جب والی احمد نگر سلطان مرتضٰی نظام نے خاندیس پر حملہ کر دیا اور برہانپور کو لوٹ کر اسیر گڑھ کو محاصرہ کر لیا۔ آخر کار میران محمد خان نے نظام کو آٹھ لاکھ مظفری روپیہ دے کر واپس کیا، مزید دو سال کے بعد ۱۵۷۶ء میں میران محمد خان نے دنیا سے رحلت کی۔

(۱۲) راجہ علی خان فاروقی ۱۵۷۶ء تا ۱۵۹۶ء:

میران محمد خان کے بعد اس کا بھائی راجہ علی فاروقی خاندیس کا بادشاہ بنا۔ یہ بڑا ہوشیار منصف اور بہادر تھا۔ اس وقت دہلی کے تخت پر مغل بادشاہ اکبر تخت نشین تھا۔ دربارِ اکبری سے راجہ علی فاروقی نے روابط پیدا کئے اور مغل بادشاہ کی ماتحتی قبول کر لی۔ اور اپنی حدودِ سلطنت میں مغل سکّے جاری کئے۔ اس وجہ سے راجہ علی فاروقی کو پنج ہزاری کا منصب ملا اور خاندیس کا علاقہ خرچ کے واسطے بخشش وانعام کے طور پر عطا کیا گیا۔ ۱۵۹۴ء میں شہزادہ مراد یہاں آ کر راجہ علی خان سے مِلا اور دونوں نے مل کر پورے دکن کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ دکن پر قبضہ کرنا آسان نہیں تھا۔ زبردست لڑائی ہوئی اس لڑائی میں راجہ علی نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے لیکن گولی بارود کی گاڑی میں آگ لگ جانے کی وجہ اس کی موت واقع ہوگئی۔ یہ واقعہ ۱۵۹۶ء کا ہے۔

(۱۳) بہادر خان فاروقی ۱۵۹۶ء تا ۱۵۹۹ء:

راجہ علی فاروقی کے بعد اس کا بیٹا بہادر خان فاروقی تخت نشین ہوا اور برہانپور سے سات میل کے فاصلے پر مشرق کی جانب بہادر پور شہر آباد کیا، اس وقت شہزادہ دانیال دکن میں مقیم ہوا بہادر خان نے دانیال سے ملاقات نہیں کی اور اسیر گڑھ کے قلعہ میں سامانِ رسد وغیرہ جمع کرنے میں مصروف ہوگیا۔ جب اکبر دانیال نے مطلع کیا کہ بہادر خان فاروقی حد سے زیادہ خود مختار اور ڈکٹیٹر بنتا جا رہا ہے تو اکبر نے خود خاندیس پر حملہ کر دیا اور اسیر گڑھ کا شدید ترین محاصرہ کر لیا۔ آخر ۱۵۹۹ء میں قلعہ کے محصورین سخت پریشان ہوگئے اور بیماریاں اس پر مُستزاد تھیں۔ بہادر خان کو مجبور ہو کر اکبر سے صلح کرنی پڑی، پھر اکبر نے اس کو قید کر کے گوالیر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ اب خاندیس پوری طرح مغلوں کے تسلط میں

آ گیا۔ دانیال کوصوبۂ خاندیس کا صوبہ دار مقرر کیا گیا اور فاروقی سلطنت کا آفتاب دوسو انتیس (۲۲۹) برس تک چمکنے کے بعد ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

خاندیس میں مَراٹھوں کی لوٹ مار

فاروقی سلاطین کے بعد ایک عرصہ دراز تک خاندیس مختلف سیاسی سرگرمیوں اور لوٹ مار کا گہوارہ بنا رہا، جس سے یہاں کی رونق ختم ہوگئی۔ ان کی حکومت وشوکت کا آفتاب غروب ہوتے ہی خاندیس میں مراٹھوں نے بڑی لوٹ مار مچائی۔ بدامنی اور خانہ جنگی کے باعث یہاں کے باشندوں کی زندگی اجیرن ہوگئی، نظام الملک کے انتقال کے بعد صلابت خان کے ساتھ مراٹھوں کی زبردست لڑائیاں ہوئیں۔ جس کے نتیجے میں اسیر گڑھ مراٹھوں کے قبضے میں آ گیا اور پھر خاندیس پر انکا پورا تسلط ہو گیا۔ مراٹھے خود آپس میں چین سے نہیں بیٹھے ان میں خانہ جنگیاں جاری رہی تھیں۔ عوام کے لیے یہی ایک پریشانی کیا کم تھی کہ ۱۸۰۰ء سے ۱۸۰۳ء تک قحط کے مہیب بادل نے خاندیس کو اپنے سائے میں لے لیا۔ خشک سالی اتنی شدید تھی کہ تقریباً تمام مویشی مر گئے۔ سینکڑوں لوگ بھوک سے لقمۂ اجل ہو گئے۔ خاندیس کے بہت سے لوگوں نے نقلِ وطن کر کے گجرات کی راہ لی۔ ہر طرف ویرانیوں کا ڈیرا تھا۔ یہاں کے قدیم ترین باشندے بھیلوں نے پہاڑوں پر بسیرا کیا۔ بھیلوں پر مراٹھوں نے انسانیت سوز ظلم ڈھائے۔ جاگیرداوں، مالداروں اور زمین داروں نے اپنی حفاظت کے لیے عربوں اور باہر سے آنے والے خراسانی، بلوچی اور مکرانی مسلمانوں کو اپنے یہاں اپنے تحفظ کی خاطر ملازم رکھا۔ ان عربوں اور مسلمانوں کی اب بھی کچھ تعداد خاندیس کے پہاڑی علاقوں اور دیہاتوں میں آباد ہیں۔ اس کے بعد مغلوں کی حکومت یہاں قائم ہوگئی۔

اولیائے خاندیس

جنوبی ہند میں بزرگانِ دین،صوفیائے طریقت اور علماء وصلحاء کے بے شمار مزارات ہیں۔دکن، بیجاپور، گولکنڈہ،خاندیس اور برار میں ان کے نقوشِ قدم اس قدر ہیں جتنے آسمان پر ستارے۔کچھ بزرگوں کا نام ہر سال اس لیے زندہ ہوجاتا ہے کہ ان کا عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔بہت سارے عوام تو ان کا نام بھی نہیں جانتے،صرف اتنا جانتے ہیں کہ آج فلاں شہر میں عرسِ مبارک ہے۔اب سب کا عرس منانے کا فریضہ انجام دیا جائے تو شاید پورے سال کا کوئی دن،کوئی تاریخ عرس سے خالی نہ رہے۔بلکہ ایک ایک دن میں کئی کئی عرسوں کا موسمِ بہار آجائے گا۔

مسلم سلاطین کے ہر دور میں ان کے ساتھ علماء وصلحاء کی کچھ تعداد جنوبی ہند میں ضرور داخل ہوتی رہی،اس لیے یہاں ان کے نشانات،مزارات کی شکل میں بہت سے پائے جاتے ہیں۔ان میں سے کچھ کے حالات اور کارنامے تفصیل کے ساتھ کتابوں میں موجود ہیں۔اس سلسلہ میں صوفی مشرب فرمانروا اورنگ زیب کا دور ''سلسلۃ الذہب'' کہلانے کا مستحق ہے۔جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ علماء،صلحاء،اتقیاء اور سالکین وعارفین کے تقریباً سات سو افراد ساتھ آئے اور یہاں پیوندِ خاک ہوگئے۔خود اورنگ زیبؒ کی ذاتِ گرامی بھی اوصاف وکمالات کا مجموعہ،صدق وصفا اور علم وفضل کا مرقع،احکامِ شریعت کے آئینہ دار اور اگلے پچھلے مغل سلاطین کے تاج کا زرین نگینہ تھی۔اسلامی احکام کی سختی سے پابندی ہی متعصب ابنائے وطن مؤرخین کی نگاہوں اور دل میں کانٹا بن گئی۔جس کی وجہ سے انہوں نے تاریخ کے صاف ستھرے اوراق کے پرزے فضاء میں اڑا دیئے اور پھر ان کی سیرت کے خوبصورت نقش ونگار کو مٹا کر ایک بڑی مکروہ

تصویر پیش کی جس کا زہر نئی نسلوں میں سرایت کر چکا ہے۔ اور وہ اورنگ زیب کے نام سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ لیکن لوحِ زمانہ پر ثبت ہو چکا ہے، وہ کبھی مٹ نہیں سکتا۔ افسوس ہے کہ اس شہنشاہ کی بے داغ تصویر نئی نسل کے سامنے کبھی رکھی ہی نہیں جاتی۔ ان ہی اسباب کی بناء پر علامہ شبلی نے ایک نظم میں مغل سلاطین کی رواداری، انصاف پسندی، اور تمام باشندگانِ ہند سے محبت، کا بہترین نقشہ کھینچتے ہوئے آخر میں فرمایا ہے ؎

تمھیں لے دے کر ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ اورنگ زیب ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

لیکن یہاں اپنے موضوع کا لحاظ کر کے صرف ان ہی بزرگانِ دین کا تذکرہ کریں گے جن کی سرگرمیاں، تزکیۂ نفس، خدمتِ خلق اور فیض رسانی کا چشمہ صافی خاندیس میں رواں تھا اور جو وہاں کی خاک میں آسودۂ خواب ہیں۔

(۱) سید علاؤالدین علوی:

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک سید حاضر ہوا اور اپنی مظلومیت کی روداد ان کے سامنے بیان کی کہ "میں خاندیس کی ایک گاؤں نندوربار (نذر آباد) میں پہونچا، وہاں کا راجہ رائے نند گولی بڑا ظالم تھا۔ لوگوں کو میرے بارے میں تجسس ہوا تو میں نے بتایا کہ میں ایک سید ہوں اور عرب سے یہاں وارد ہوا ہوں۔ جب راجہ کو میری آمد کا علم ہوا تو اس نے بلا کر میرے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے، میں فریادی ہوں، میری دادرسی کیجئے۔ چناں چہ خواجہ اجمیری نے سید علاؤالدین کو نندوربار جانے اور وہاں دینِ اسلام کی اشاعت کا حکم دیا۔ اس طرح آپ چند غازیوں کے ہمراہ نندوربار میں وارد ہوئے اور اسلام دشمنوں سے بڑی بے جگری کے ساتھ جہاد کیا۔

کُشتوں کے پُشتے لگا کر خود بھی جامِ شہادت نوش فرمایا۔

یہ بھی مشہور ہے کہ (واللہ اعلم) جب آپ کا سر تن سے جدا ہو گیا تب بھی آپ لڑتے رہے اور پھر خود ہی اپنا سر ہاتھ میں لے کر ایک پہاڑ کے ٹیلے پر گئے اور قبر میں سما گئے، یہ واقعہ ٦١٢ ہجری کا ہے۔ آپ کی قبر کا نام ونشان مٹ گیا تھا لیکن جب سید شاہ عالم احمد آباد سے نندور بار آئے تو انہوں نے بذریعہ کشف قبر کا نشان معلوم کر کے اس کے چاروں طرف ایک دائرہ بنا دیا۔ آپ کا شمار ہندوستان کے مایۂ ناز مجاہدین او رصوفیاء میں ہوتا ہے۔

خاندیس کے فاروقی سلطان مبارک شاہ نے ٩٦٦ ہجری میں آپ کے مدفن پر ایک گنبد تعمیر کرایا اور ایک پختہ مسجد بنوائی۔ بعد میں ''ملک ِچمن'' نے مسجد کواو رملک ناصر گجراتی نے گنبد کواو رمضبوط کروادیا۔ آپ کی بہت سی کرامت مشہور ہیں۔ آپ کا مزار بلا لحاظ مذہب وملت زیارت گاہ ہے، جہاں ہر سال ١١ر محرم کو عرس لگتا ہے۔

(٢) شاہ یٰسین غریب نواز نذر آبادی قادری:

آپ کا نسب حضرت محبوب سبحانی سے ملتا ہے۔ اور آپ کا شمار دکن، حیدر آباد اور برار کے مشاہیر اولیاء میں ہوتا ہے۔ آپ صاحبِ کشف وکرامت بزرگ تھے۔ تمام دکن آپ کا معتقد تھا، لنگر خانہ ہر دم کھلا ہوا رکھتے اور واردین کی بے حد خاطر مدارات کرتے تھے۔ مہمان نوازی کے علاوہ آپ حاجتمندوں کی حاجت روائی بھی کرتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو لوگوں نے ''غریب نواز'' کے لقب سے پکارا۔ آصف جاہ کی حکومت میں آپ باحیات تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ پاؤں میں ہڈیاں نہیں تھی، اس لیے چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ چوکی پر بیٹھا کر لوگ آپ کو گھر سے باہر نکلتے تھے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ

جنات آپ کے مرید تھے۔ تین بیویاں تھیں۔ شاید کسی سے ایک لڑکا ہوا تھا۔ لیکن بچپن ہی میں فوت ہوگیا۔ تاریخِ وفات ۲۴/ربیع الاول ۱۱۷۱ھ ہے۔ مزار نذر آباد (نندوربار) خاندیس میں ہے۔

(۳) شاہ موسیٰ قادری اور شاہ عالم:

ان دونوں اولیائے کرام کا حال ایک ساتھ اس لیے لکھا جا رہا ہے کہ دونوں میں بڑی دوستی تھی اور یہ عہد و پیمان بھی تھا کہ وفات کے بعد بھی ہماری دوستی میں فرق نہیں آئے گا۔ شاہ موسیٰ قادری سلطانپور میں قیام پذیر تھے۔ ہمیشہ مخلوق کی فیض رسانی اور اصلاحِ باطن میں مصروف رہتے۔ آپ کی کرامتیں علاقۂ خاندیس میں بہت مشہور رہیں۔ حضرت شاہ عالم گجراتی سلطان پور میں ایسے وقت وارد ہوئے، جب شاہ موسیٰ قادری کی وفات ہوچکی تھی۔ جب شاہ عالم ان کی قبر کے قریب پہونچے تو حضرت شاہ موسیٰ نے مصافحہ کے لیے دونوں ہاتھ قبر سے باہر نکال دیا۔ مصافحہ کے بعد آپ نے ہاتھ اندر کھینچ لینے کا اشارہ کیا تو آپ نے ہاتھ اندر کھینچ لیا۔ شاہ عالم کی وفات ۸۷۳ھ میں ہوئی۔

مشہور ہے کہ شاہ موسیٰ قادری کے مزار کے پاس شاہ عالم نے وضو کر کے اپنی مسواک گاڑ دی تھی، جو املی کا ایک تناور درخت بن گیا۔ یہ درخت اب بھی موجود ہے۔ دونوں کا مزار سلطان پور (خاندیس) میں ہے جو باہم دوستی کا من جانب اللہ عملی ثبوت ہے۔

(۴) حضرت شاہ واری:

آپ کا اصل نام شاہ ولی ہے لیکن کثرتِ استعمال کی وجہ سے تلفظ میں شاہ واری ہوگیا۔ کوٹھل (خاندیس) میں آپ کو آپ کے دوست شاہ خرم قتال نے دہلی سے تبلیغ و

اصلاح کے لیے بھیجا۔ آپ نے بت پرستی کی کھلے عام مخالفت شروع کی جس سے کوٹھل کے قدیم باشندے آپ کے خلاف آمادۂ پیکار ہوگئے،،بہت سے غیر مسلم مقتول و مجروح ہوئے لیکن آپ کی پاکیزہ زندگی اور کرامتوں کو دیکھ کر بہت سوں نے اسلام قبول کیا۔ قصبۂ کوٹھل کے نواح میں آپ کی محنتوں سے اسلام کی روشنی پھیلی۔ آپ سلسلۂ چشتیہ میں سے تھے۔ ۷۵۴ھ میں کوٹھل میں وفات ہوئی اور وہیں مزار ہے۔ آپ کے مزار پر بڑی دھوم دھام سے سردیوں میں عرس منایا جاتا ہے۔

(۵) شاہ خرم قتال:

آپ دہلی سے صوفیاء کی ایک جماعت کے ساتھ دکن میں وارد ہوئے۔ ارنڈول کا علاقہ آپ کو تبلیغ و اشاعت کے لیے سپرد کیا گیا۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفۂ مجاز تھے۔ چند فقراء اور مساکین کے ساتھ آپ نے ارنڈول میں قیام کیا۔ مخالفینِ اسلام کے ساتھ بار بار جنگ کی نوبت آئی اور ہر مرتبہ فتح و کامرانی نے آپ کے قدم لیے۔ پھر رفتہ رفتہ بہت سے دشمنانِ اسلام جن میں گونڈ، بھیل وغیرہ تھے، آپ کی پاکیزہ زندگی اور کرامتوں سے متأثر ہوئے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ چناں چہ آپ سکون کے ساتھ عبادت و ریاضت، خدمتِ خلق اور اشاعت اسلام میں مصروف ہوگئے۔ آپ کے زندہ کارناموں میں ارنڈول کی ایک مسجد کی تعمیر ہے جو آج بھی موجود ہے۔ آپ کو ارنڈول کا سب سے پہلا اسلام کا داعی اور مبلغ کہا جاتا ہے۔ ۷۴۳ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اور ارنڈول ہی میں مدفون ہیں۔

(۶) شاہ موسیٰ قادری:

آپ کا مزار آج بھی عوام کے لیے زیارت گاہ ہے، چالیس گاؤں کا علاقہ آپ

کی دینی محنت، تبلیغِ اسلام اور اصلاح وہدایت کی آماجگاہ تھا۔ مؤرخین نے عبادت و ریاضت اور علم وفضل میں آپ کا پایہ بہت اونچا اور بلند تر تحریر کیا ہے۔ آپ کی محنت وجد وجہد سے دشمنانِ اسلام دینِ اسلام سے قریب ہوئے اور ہدایت پائی، قرب وجوار میں اسلام کا بول بالا ہوا۔ بُت پرستی کی فانوس مدھم ہوئی۔ خدا سے طویل عمر لے کر آئے تھے۔ چالیس گاؤں میں وفات پائی اور ڈونگری ندی کے کنارے مدفون ہیں۔ سنِ وفات معلوم نہ ہوسکا۔

(۷) شاہ انجان (دھولیہ):

آپ مشائخِ چشتیہ کے بزرگ ہیں۔ توکل، تصوف اور ورع تقوی میں اعلی مقام پر فائز تھے۔ دھولیہ اس وقت ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ املی کے ایک درخت کے نیچے فروکش تھے۔ گویا بے در ودیوار کا اپنا گھر آپ نے خود ہی بنالیا تھا۔ شبانہ روز عبادت وریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ بہت دن تک لوگوں کو آپ کے مقام ومرتبہ کا علم نہ ہوسکا۔ بس اتنا معلوم تھا کہ ایک گمنام فقیر یہاں رہتا ہے۔

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ چالیس فقیروں کی جماعت آپ کے پاس کہیں سے آ گئی۔ سب کی آپ نے دعوت کردی۔ لیکن تمام فقراء حیران تھے کہ ایک فقیر اتنے فقیروں کو کیا کھلائے گا۔ پھر سب کے تعجب کی کوئی انتہاء نہ رہی جب آپ نے اسی درخت کے شگاف میں سے گرم گرم لذیذ کھانا نکال کر سب کو کھلا کر آسودہ کردیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر سبھی فقیر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے۔ اس کے بعد آپ کی بڑی شہرت ہوئی اور لوگ آپ کے پاس اپنی حاجتیں لے کر آنے اور بامراد جانے لگے۔ ۵۹۹ھ میں انتقال ہوا۔ اور اسی درخت کے قریب پانجرا ندی کے کنارے آپ کو سپردخاک کیا گیا۔ ابھی تک آپ کے مزار

کانشان معلوم ہے یا نہیں اس کا علم نہیں ہوسکا۔

(۸) حضرت سید یار محمد قادری:

آپ کا نسبی تعلق پیرانِ پٹن سے ہیں، والد ماجد کا نام سید عبد اللہ میاں قادری ہے، آپ کی نویں پشت میں ایک بزرگ خواجہ فتح اللہ ہیں جو بغداد سے گجرات وارد ہوئے تھے۔ سید یار محمد قادری کی ابتدائی تعلیم پٹن میں ہی ہوئی، جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو ۵ر برس مکہ معظّمہ میں گذارے اور دینی علوم کے تکمیل علمائے مکہ سے کی۔ یہیں آپ نے حفظِ قرآن بھی کیا۔ پھر پیرانِ پٹن مراجعت کی اور زندگی علماء کے درمیان اور علم و فضل کے ماحول میں گذارنے لگے۔ ۱۸۱۸ء میں انگریزوں نے خاندیس پر پوری طرح تسلط قائم کرنے کے بعد آپ کو خاندیس کا مفتیٔ عدالت مقرر کیا تاکہ مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے اسلامی دستور کے مطابق ہوسکیں۔ چناں چہ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۴۸ء تک دھولیہ میں مقیم ہوکر مفتی کے عہدے پر فائز رہے اور پھر آسودۂ خواب ابد ہوگئے۔ ۱۱ جنوری ۱۸۴۸ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ دھولیہ میں اپنی ہی تعمیر کرائی ہوئی ''مولوی باڑہ کی مسجد'' کے صحن میں آپ کا مزار ہے۔ آپ کے خاندان کے افراد آج بھی محلّہ مولوی باڑہ میں آباد ہیں۔

خاندیس کے بزرگوں میں آپ کا مقام اس اعتبار سے بہت بلند ہے کہ آپ میں بزرگی، خدا ترسی اور پرہیز گاری کے علاوہ علمیت کا رنگ بہت نمایاں ہے جب کہ بہت سے بزرگوں کے علمی جوہر سے تاریخ کے اوراق خالی ہیں۔ چناں چہ آپ اور آپ کے بزرگوں کے جاری کردہ فتاوے آج بھی ''جامع الفتاوی'' میں موجود ہیں۔

صوبۂ خاندیس کے اہم مقامات

سرکار خاندیس کے کچھ اہم مقامات یہ ہیں:

اسیر گڑھ، اتران، ارنڈول، املنیز ، ورنگاؤں، پاچورہ، پورمال، مارول، پوڈور بہل، بھڑگاؤں، بیٹاود، بایر (بھامیر)، تھالنیر ، جامود، جامنیر، چاندسر، جالود، چوپڑہ، ڈانگری، دامری، رین پور، راویر، شہادہ، ساودا، سیندورنی، عادل آباد، لیلنگ ،لوہارا، منجروڈ، نصیر آباد، نذر آباد (نندوربار) سلطانپور، سونگیر، پرکاشہ، دھرن گاؤں، پارولہ، فرخاندہ، لاسور، تلودہ، شیر پور، درویل، بھساول، چالیس گاؤں؛ ان کا شمار خاص قصبات میں ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ برہانپور، دھولیہ اور جلگاؤں کا شمار اہم شہروں میں کیا جاتا ہے۔

نظام کے عہد میں صوبۂ خاندیس چھ سرکاروں (ضلعوں) اور ۱۳۷ر محالوں (تعلقوں) پر مشتمل تھا جس کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) اسیر گڑھ	:	اس ضلع میں ۳۳ر تعلقے تھے۔
(۲) باگلان	:	اس ضلع میں ۳۰ر تعلقے تھے۔
(۳) بیجاگڑھ کھرگون	:	اس میں ۳۳ر تعلقے تھے۔
(۴) گالنہ	:	اس میں ۷ر تعلقے تھے۔
(۵) نندوربار	:	اس میں ۶ر تعلقے تھے۔
(۶) ہنڈیا	:	اس میں ۲۷ر تعلقے تھے۔

چند مقامات تاریخ کی روشنی میں:

مختلف قدیم کتابوں جن مقامات کی تاریخی لحاظ سے وضاحت کی گئی۔ ان میں

سے چند کا ذکر خاص طور پر کیا جا رہا ہے۔ یہاں صرف انہیں قصبات اور شہروں کا حال زیرِ تحریر آئے گا۔ جن کی وضاحت اور تفصیل کتابوں میں موجود ہے اور جو فاروقی اور مغل سلاطین کے دور میں بھی موجود تھے اور جن کی تاریخی حیثیت مسلّم ہے۔

اسیر گڑھ:

یہ بڑا شہر ایک پہاڑی کے نیچے آباد ہے، اوپر وہ مشہور قلعہ ہے جو ہر دور میں فوجوں کی پناہ گاہ رہا ہے اور جس نے شاہوں کے عروج وزوال اور ان کی ترقی وتنزّلی کے بہت سے مناظر دیکھے ہیں اور بارہا شاہی کرّ وفر کے آفتاب کے طلوع وغروب کا نظارہ کیا ہے۔ اسی شہر میں گورنر کا قیام رہتا تھا۔ قلعۂ اسیر گڑھ کے اردگرد مضبوط اور بلند وبالا قلعے اور بھی ہیں۔

برہان پور:

یہ بہت بڑا شہر ہے، دریائے تاپتی سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ یہ تمام مسلم بادشاہوں کا ہیڈ کواٹر اور دار الخلافہ رہ چکا ہے۔ شاہانِ دکن، فاروقی سلاطین اور مغل شہنشاہوں نے اس شہر کو ہمیشہ ترقی دی اور شاہی عمارتوں سے اس کی رونق میں چار چاند لگائے۔ یہاں باغات کی کثرت ہے جو مغل سلاطین کے اعلیٰ ذوق چمن بندی کی عکاسی کرتی ہیں۔ موجودہ دور کے ایک مشہور عالمِ دین نے یہاں اپنے مختصر قیام کے دوران اس شہر کو دیکھنے کے بعد ایک شعر تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ پڑھا ؎

چار چیز است تحفۂ ''بُرہان''
گرد و گرما ، گدا و گورستان!

اصل شعر میں ''ملتان'' ہے۔ اس کے بجائے انہوں نے ''برہان'' کا لفظ استعمال

کیا جو ''برہان پور'' کی طرف اشارہ ہے۔یعنی چار چیزیں برہان پور کا تحفہ ہیں۔دھول، گرمی اور اولیاءومقابر۔

بزرگانِ دین کی فیض رسانی، خدمت خلق اور اصلاح وہدایت کی وجہ سے یہ شہر اپنی مثال آپ تھا، یہی وجہ ہے کہ یہاں ان کے مزارات بکثرت موجود ہیں۔ساتھ ہی مسلمان امراء کی تعمیر کردہ عالی شان عمارتیں اور شاہی مساجد اس شہر کی تہذیب وثقافت، علم وادب، دینداری وعلم ودوستی کا آج بھی اعلان کر رہی ہیں۔یہاں کے شاہی کتب خانے میں اب بھی نادر قلمی کتابوں اور مخطوطوں کا ذخیرہ موجود ہے۔

اب یہ شہر پاورلوم کی صنعت کے لیے کافی مشہور ہے۔یہاں اچھے کپڑے تیار ہوتے ہیں۔اس لیے یہ کپڑوں کی تجارت کی بہت بڑی منڈی بن گیا ہے۔ساتھ ہی اب بھی دینی اور عصری درس گاہوں کے لیے خاص اچھی حیثیت رکھتا ہے۔لیکن یہ درسگاہیں انگریزی دور اور آزادی کے بعد کی ہیں۔یہ شہر اب اگرچہ خاندیس کی حدود سے الگ ہو گیا ہے لیکن نقش پر ایک سرکاری لکیر کھینچ دینے سے خاندیس سے اس شہر کے علمی، تہذیبی، تمدنی اور قرابتی روابط کٹ نہیں سکتے۔اب اس کے الگ ہو جانے سے خاندیس کی سرحد راویر سے نندوربار اور دھولیہ تک پہونچتی ہے۔

نندوربار (نذرآباد)

یہ قدیم شہر ضلع دھولیہ میں ہے (اب خود ضلع ہے)، یہاں ریلوے اسٹیشن ہے، نندا گولی نے اس کو بسایا تھا، اس لیے اس کا نام نندا گڑھا اور نندی گڑھ ہوا۔پھر نذرآباد کہا جانے لگا اور دھیرے دھیرے نندربار ہو گیا۔اولیائے کرام کی کثرت کے باعث اس کو کچھ لوگوں نے ''دارالابرار'' کے نام سے پکارا ہے۔

۱۳۴۳ء میں مشہور سیّاح ابن بطوطہ نذر آباد کے علاقہ سے گزرا تھا۔ اور اس کا تذکرہ اپنے سفر نامہ میں کیا ہے۔ جس سے لوگوں کے رہن سہن، رسم ورواج، طرزِ معاشرت، صنعت وحرفت اور اچھی مالی پوزیشن پر روشنی پڑتی ہے۔ ساتھ ہی اس شہر کی قدامت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ شہر مختلف ادوار میں مختلف سلاطین کے زیرِ نگیں رہا۔ اس پر انگریزوں کا باقاعدہ قبضہ ۱۸۱۸ء میں ہوا۔ جب کہ قحط کی وجہ سے اس کی آبادی بہت کم ہو چکی تھی۔ آزادی کے بعد اس شہر نے ہر لحاظ سے اور ہر شعبۂ زندگی میں کافی ترقی کی ہے۔

نندوربار مزارات کے اعتبار سے بہت ممتاز ہے۔ یہاں بزرگانِ دین کے مزارات وسطِ شہر اور گرد ونواح میں بہت ہیں۔ قلعوں، مساجد، درگاہوں، تالابوں اور خانقاہوں کی وجہ سے یہاں بکثرت عقیدت مند آتے جاتے ہیں۔ یہاں کے اکثر محلوں میں بزرگوں کی قبریں ہیں جو حضرت سید علاؤ الدین اور امام باشادہ میاں کے ہمراہ یہاں آ کر بس گئے تھے۔ محرم کے مہینے میں اس شہر میں عرسوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے اچھے اور شریف خانوادوں کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ ہر طرف زندگی کی چہل پہل نظر آتی ہے۔ قدیم زمانے میں یہاں باقاعدہ کسی دینی درسگاہ کا پتہ نہیں چلتا۔ اب یہاں ایک دینی مدرسہ موجود ہے جو علمِ دین کی قابلِ اطمینان خدمت واشاعت کر رہا ہے۔

تھالنیر :

یہ شہر فاروقی سلاطین کا پہلا دار الخلافہ ہے اور دریائے تاپتی کے کنارے آباد ہے۔ ۱۳۷۰ء میں فیروز شاہ تغلق نے ملک سلطان فاروقی کو یہ شہر اور اطراف کا علاقہ انعام دیا تھا۔ پھر یہ شہر فاروقیوں کے قبضے میں آتا اور نکلتا رہا تا آنکہ ۱۶۰۰ء میں خاندیس اور تھالنیر شہنشاہ اکبر کے قبضے میں آ گئے۔ تھالنیر کا قلعہ ملک سلطان فاروقی نے بنوایا تھا۔ جو

انتہائی مضبوط تھا۔ اب صرف اس کی دیواریں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ یہاں دس مقبرے فاروقی خاندان کے ہیں۔ جن میں سے چار مقبرے سلاطین کے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:
سلطان ملک فاروقی، ملک ناصر، میران عادل خان، میران مبارک خان۔

اِس شہر میں بزرگوں کے مزارات کا پتہ نہیں چلتا۔ اور دینی یا کسی قسم کی تعلیم کے انتظام کا سراغ نہیں لگتا۔

لیلنگ:

یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو دھولیہ سے چھ میل کی دوری پر واقع ہے، یہاں پہاڑ پر ایک قلعہ ہے جس کو ملک فاروقی نے تعمیر کروایا تھا۔ یہاں کبھی کبھی مغل فوجیں قیام کرتی تھیں۔

سلطان پور:

یہ شہر تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ تحصیل ''شہادہ'' سے دس میل کی دوری پر ہے۔ اس کو ملک کافور نے ۱۳۰۶ء میں بسایا تھا۔ یہاں ایک قلعہ ہے اور ایک عالیشان مسجد تھی۔ مندر کنوئیں بھی تھے۔ یہاں باغات کی کثرت تھی۔ شاہ موسیٰ قادری کا مزار یہیں ہے جن کا انتقال تقریباً ۸۷۳ء میں ہوا، آپ کا شمار اولیاء میں ہوتا ہے۔

سونگیر:

یہ قصبہ شہر دھولیہ سے ۲۰ رکلومیٹر کی دوری پر آگرہ روڈ پر واقع ہے یہاں مغلوں اور نظام کی حکومت رہ چکی ہے۔ ۱۸۱۸ء میں انگریزوں کے قبضہ میں آنے کے بعد اس کا نظم ونسق کرنل برگس کے ہاتھوں میں تھا۔ یہاں ایک پہاڑی قلعہ ہے۔ اِس جگہ تھالنیر کے فاروقی سلاطین کے فاروقی کا صوبہ دار رہا کرتا تھا۔ سڑک سے متصل ایک بزرگ حضرت

پیر مغنی کا مزار ہے۔قصبہ کے اندرونی حصہ میں جامع مسجد ہے جو فاروقی سلاطین کی تعمیر کردہ ہے۔اب بھی یہ بستی آباد ہے اور قومی شاہراہ سے متصل ہونے کے سبب اس کو اہمیت دی جاتی ہے۔

پرکاشہ:

یہ قصبہ تحصیل شہادہ میں واقع ہے اور دھولیہ کی طرف سے اکل کوا جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔یہاں مندروں کی کثرت ہے، بنابریں تیرتھ گاہ کا درجہ رکھتا ہے یہاں کے مشہور مندر ''مناپوری مندر'' کے قریب ایک مسجد ہے جس کو کسی بھلے انسان مالومیاں نے تعمیر کرایا تھا، کہتے ہیں کہ جب رامچند رجی کو چودہ برس کا بن باس ملا تھا تو پرکاشہ سے ان کا گذر ہوا تھا۔یہ مقام اکل کوا سے صرف پچیس تیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

ضروری نوٹ:

تاریخ نگار ایسے مقامات کی خصوصیت سے نشاندہی کرتے ہیں جن کی طرف کوئی اہم بات منسوب ہوتی ہے۔ظاہر ہے کہ بنائے وطن کے عقیدے کے لحاظ سے وہ جگہ بڑی محترم اور اہمیت کی حاصل ہوگی۔ جہاں سے رام چندر کا گذر ہوا ہو، اور ہم بھی اس کو داستان محض کا نام نہیں دے سکتے۔کیوں کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہزار ہا ہزار ایکڑ زمین ایسی بنجر تھی کہ انسان کے قدم نہیں پڑتے تھے۔ پہاڑی علاقہ عبور کرنے لیے آدمی جدھر سے اپنی گذرگاہ ہونے کا امکان دیکھے گا، ادھر سے گذر جائے گا۔یہی صورت حال رام چندر جی کے ساتھ پیش آئی ہوگی اور کسی حد تک قرینِ قیاس بھی ہے کیوں کہ ناسک کے علاقہ کو بھی ان کی گذرگاہ بتایا جاتا ہے۔اس طرح پرکاشہ سے ہوتے ہوئے انہوں نے ناسک عبور کیا ہوگا۔واللہ اعلم۔اور اگر یہ صحیح ہے تو مشیتِ ایزدی کو یہی منظور تھا کہ ہزاروں

سال بعد پرکاشہ کے قریب ہی ایک گمنام مقام اکل کوامیں ایسا اسلامی قلعہ تعمیر ہوگا جس کی برجیوں سے علمِ دین کی شعاعیں دور دور تک کے علاقہ کومنور کریں گی جو آج حقیقت بن کر سامنے ہے۔

بھڑ گاؤں:

یہ قصبہ ضلع جلگاؤں میں ہے، یہاں بھاٹ زیادہ تعداد میں آباد ہیں۔جس سے اس کا نام بھاٹ گاؤں پڑا جو بعد میں بھڑ گاؤں سے مشہور ہوگیا۔ یہاں دو بزرگوں ''پیر شاہباز'' اور ''تراب علی شاہ'' کے مزارات ہیں۔

چوپڑہ:

اس کا قدیم نام مصطفیٰ آباد ہے۔ یہاں ایک قلعہ اور متعدد مساجد کچھ بزرگوں اور کچھ سلاطین نے بنوائی تھیں۔ جامع مسجد میران محمد خان نے تعمیر کرائی۔ ایک مسجد کالی مسجد اور ایک مسجد، مسجد سیلانی صاحب کے نام سے مشہور ہے۔اول الذکر دادامیاں نے، آخر الذکر سیلانی صاحب نے تعمیر کرائی تھی۔ یہاں کے دو کنوئیں مشہور ہیں۔جن کو شیخ بھکاری کے دو بزرگوں نے کھدوایا تھا۔

دھرن گاؤں:

یہ قصبہ آج بھی اچھی حالت میں اور آباد ہے۔مغلوں کے زمانے میں یہاں عمدہ کپڑے تیار ہوتے تھے۔اس پر شیواجی اور اس کے بیٹے سمبھاجی نے متعدد حملے کئے۔ ۱۸۵۰ءمیں یہاں کپاس تیار کرنے کا کارخانہ قائم ہوا۔ یہاں کے غذا اور کپڑے کسی وقت کافی شہرت رکھتے تھے۔

پارولا:

یہ قصبہ شروع میں ایک چھوٹا سا دیہات تھا، ۱۷۰۰ء کے بعد اس نے بہت ترقی کی اور آج بھی ترقی کی طرف گامزن ہے۔ یہاں ایک قلعہ تھا جس پر "لالہ بھاؤ جھانسی کر" قابض تھا۔ ۱۸۲۱ء میں انگریزوں نے یہ قلعہ اپنے قبضے میں لے لیا اور مال داروں کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ یہاں کی صنعت پارچہ بافی بہت مشہور تھی جس میں ساڑیاں اعلیٰ درجے کی تیار ہوتی تھیں۔ قلعہ کے مشرق میں ایک درگاہ ہے جس میں دو بزرگوں کے مزار ہیں، ایک کا نام "امام" اور دوسرے کا نام "بادشاہ"، چناں چہ درگاہ "درگاہ امام بادشاہ" کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اگست کے مہینے میں ان کا عرس دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

فرخاندہ:

ارنڈول کے قریب ایک بستی ہے۔ ۱۷۰۰ء میں "چاند مومن" نامی کسی نیک مسلمان نے یہاں ایک مسجد بنوائی تھی۔ جس کے بارے میں آج تک یہ مشہور ہے کہ اگر اس کا ایک مینار ہلایا جائے تو دوسرا بھی ہلتا ہے۔

جلگاؤں:

یہ شہر مشرقی خاندیس کا ہیڈ کواٹر ہے۔ اس لیے ضلع کے تمام دفاتر یہیں ہیں۔ یہ نہایت خوبصورت، کشادہ اور صاف ستھرا شہر ہے؛ یہاں ریڈیو اسٹیشن بھی ہے۔ ریلوے جنکشن ہونے کے سبب پورے ہندوستان سے مربوط ہے۔ اب یہاں عصری تعلیم کی سرگرمیاں تیزی سے جاری ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد تناسب میں کم ہے۔ یہاں مساجد خاصی تعداد میں ہیں جس میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ عام مسلمانوں کا پیشہ تجارت

ہے۔ کچھ لوگ ملازمت سے بھی وابستہ ہیں۔ پورے شہر میں تجارت اور کاروبار کی ریل پیل دن بھر جاری رہتی ہے۔ تبلیغی جماعتوں اور دعوت کے کام کے باعث جہاں دیندار نمازیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے وہیں مساجد کی ضرورت اور توسیع کی جانب بھی عام طور پر میلان پایا جار ہا ہے۔ ہر مسجد آباد اور بارونق ہے۔ لیکن قدیم تاریخ کے کسی دور میں یہاں اسلامی درسگاہوں کا پتہ نہیں چلتا۔ واللہ اعلم!

۱۹۷۱ء میں جلگاؤں کے نواح مہرون میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا جو آج ایک شاندار اقامتی درسگاہ جس کا ذکر اکل کوا کی شاخوں کے ضمن میں آئے گا۔ ہاں قرآن کریم اور بنیادی دینی تعلیم کا انتظام تقریباً تمام مساجد میں ہے، یعنی خود مساجد کے ائمہ کرام بچوں اور بچّیوں کو اسکول کے اوقات کے علاوہ گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے تعلیم دیتے ہیں۔ آج کے حالات و ماحول میں یہ بھی غنیمت ہے۔ مسلمانوں کی غالب اکثریت کا رجحان عصری تعلیم کی طرف ہی ہے۔ یہ بھی دور حاضر کی ایک ضرورت ہے جس سے صرف نظر اور اغماض نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بہر حال خدا اور رسول کے نزدیک دین اور صرف دین ہی تعلیم کو اولیّت اور افضلیت کا درجہ حاصل ہے، جس سے لاپرواہی آخرت میں بڑے خسارے اور آفت کی بات ہے۔ خوشی ہے کہ اب اسلامی تعلیمات کا خیال و احساس عام طور پر مسلمانوں میں بیدار ہو رہا ہے، ضرورت کا احساس بھی قوم کا قابلِ قدر سرمایہ ہے۔

دھولیہ:

دھولیہ مغربی خاندیس کا بہت بڑا شہر اور ضلع کا صدر مقام ہے۔ انگریزی عہد میں خاندیس کا منتظم کرنل برگس نے اس کو خاندیس کا ہیڈ کوارٹر بنایا تھا۔ شہر کی شکل اختیار کرنے سے پہلے دھولیہ ایک چھوٹا سا دیہات تھا جو آج بھی جونا دھولیہ (قدیم دھولیہ) کے نام سے

متعارف ہے، یہ شہر پانجراندی کے کنارے آباد ہے، اضافۂ آبادی کے سبب اب ندی درمیان میں آگئی ہے، انگریزوں نے اپنے زمانے میں منصوبہ بندطریقے پراس کوترقی دی، پانجراندی اورقریب کے دوتالاب یہاں کےلوگوں کے لیے ہمیشہ مفید ثابت ہوئے۔

آج یہ شہر ہر اعتبار سے کافی ترقی کر چکاہے۔تجارت وتعلیم کے علاوہ یہ شہر پاور لوم کے کپڑوں کے لیے ہندوستان خاص کرمہاراشٹر میں بہت مشہور ہے۔اس صنعت سے مسلمان خصوصیت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ چناں چہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت یہاں قابلِ اطمینان ہے۔ یہاں مساجد کی کثرت ہے، دینی تعلیم کی طرف لوگوں کا بہت میلان ہے۔عصری تعلیم کے لیے بھی یہاں کےلوگوں نے اچھےانتظامات کئے ہیں۔اور آج دینی تعلیم کی ترویج وترقی اور دعوت وتبلیغ میں بھی یہاں کے مسلمانوں کا نمایاں کردار ہے۔ یہاں علماء وحفاظ کی تعداد بھی ہے جو آبادی کے تناسب کے لحاظ سے بہر حال کم ہے۔ مسلمانوں میں اسلامی جذبہ اور دینی حمیّت قدم قدم پرنظر آتی ہے۔لوگ شکل وصورت سے بھی دیندار دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں مساجد کا انتظام اچھا اورنمازیوں کی کثرت ہے۔عہد قدیم میں یہاں کسی قابلِ ذکر دینی درسگاہ کا پتہ نہیں چلتا،لیکن آزادی کے بعد سے یہاں کی دینی فضا اور اسلامی تعلیم کی رفتار اطمینان بخش ہے یہاں ریلوے ہے اور شاید ریڈیو اسٹیشن بھی بن گیا ہے۔غرض یہ شہر یہاں کے اورقرب وجوار کے مسلمانوں کی دینی ودنیاوی ضرورتوں کا مرکز ہے۔ یہاں کی آبادی ابنائے وطن کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ پھر بھی غنیمت ہے۔

قدیم دھولیہ کی گڑھی پرمٹی اور اینٹوں سے تعمیر شدہ ایک قلعہ تھا جس میں شاہجہاں سے سپہ سالار نے قیام کیا تھا۔مجموعی طور پراس شہر میں ہمہ جہتی چہل پہل اور رونق نظر آتی ہے۔

خاندیس میں اسلامی درسگاہیں

فاروقی سلاطین کے سوا دوسو سالہ دورِ حکومت کو خاندیس کی تاریخ کا زرّیں باب کہا جاسکتا ہے یہ علم دوست اور علم پرور سلاطین تھے۔صوبہ کی جملہ ترقیات کے ساتھ ہی انہوں نے علم وادب کی قیمتی متاع کو کبھی فراموش نہیں کیا۔اور ہمیشہ اس کو گرانقدر بنانے کے لیے کوشاں رہے۔انہیں کے دور میں نامور عالم حضرت متقی برہانپوری نے کنز العمال تصنیف کی، پھر اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں مشہور کتاب'' فتاویٰ عالمگیری مرتب کی گئی،فتویٰ کی یہ کتاب اعلیٰ اور مایۂ نازتصنیف ممتازِ عالم دین شیخ نظام الدین برہانپوری کی رہنمائی میں مرتب کی گئی۔خاندیس کے حکمراں دوردراز سے علماء،شعراءادباءکواپنے یہاں بلا کراعلیٰ منصب پر بلاکر مسندنشیں کرتے تھے۔انہوں نے علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں بڑھ کر چڑھ کر حصہ لیااوران کی سرپرستی کی۔ان کے زمانے کے تعلیمی ادارے اوران کی عمارتیں آج بھی کھنڈرات کی شکل میں دیکھی جاسکتی ہیں۔جواپنے شاندار ماضی کے قصۂ پارینہ کا مرثیہ زبانِ حال سے پڑھ رہی ہیں۔ان سلاطین نے حکومت کےخزانے سے بڑے بڑے مدارس قائم کئے جہاں دوردراز تشنگانِ علم اپنی علمی سیرابی کے لیے آیا کرتے تھے۔خاندیس پر فاروقی سلاطین کا دورحکومت اگر چہ زیادہ نہیں ہےلیکن جتنا کچھ ہے اس میں علم وفن کا چراغ جلانے کی کوشش سےغفلت نہیں کی گئی۔سلطان ملک ناصر فاروقی کا عہدسلطنت بڑاہی زرّیں دور ہےجس نے اپنی علم دوستی اورعلم پروری کی ایک روشن مثال قائم کی۔وہ برہان پورکوشاندارعلمی مرکز بنانے کا خواہش مندتھا،چناں چہ علماءکو بلابلاکرترقی علوم کےہمیشہ کوشاں رہا۔

تاریخی کتابوں سے خاندیس کی جن درسگاہوں کا پتہ چلتا ہے وہ اس طرح ہیں:

مَدرسۂ عادل پور:

اس مدرسہ کے قیام کا سہرا عادل شاہ فاروقی کے سر ہے یہ بہت بڑا مدرسہ تھا۔ طلبہ کے مفت قیام وطعام کا یہاں انتظام تھا۔ شاہی خزانے سے اس کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ یہاں کا تعلیمی نظام شیخ موسیٰ سندھی کے حوالے تھا جو ایک جید عالم تھے۔

مدرسۂ برہان پور:

یہ دور دراز تک شہرت رکھنے والا ایک عظیم الشان مدرسہ تھا۔ اس میں ایک جید عالمِ دین شیخ طاہر بن یوسف سندھی ایک طویل مدت تک درس دیتے رہے۔ پھر ان کے خاندان کے افراد نے اس میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔

علاوہ ازیں دو مدرسوں کا تذکرہ ملتا ہے:

(۱) دریائے تاپتی کے ساحل پر (برہان پور کے آس پاس) فاروقی سلاطین میں سے کسی نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ جس کے نام کی صراحت نہیں ملتی۔ ۱۸۰۲ء تک اس مدرسہ کے آثار موجود تھے جو مدرسہ کی قدامت اور شان وشوکت کی عکاسی کر رہے تھے۔

(۲) دولت آباد میں بھی ایک مدرسہ تھا۔ جو سلاطینِ خاندیس کی دلچسپیوں سے وجود میں آیا تھا۔ اس کے قابلِ قدر بانی کے نام کی تصریح نہیں ملتی۔ شیخ ضیاء الدین اور شیخ برہان الدین اس کے فاضل اساتذہ میں تھے۔

برہان پور میں ایک اور بڑا مدرسہ نواب انوار الدین گو یاموی نے قائم کیا تھا۔ جس کے سالانہ اخراجات کے لیے نواب نے ۳۶/ ہزار روپیہ مقرر کیا تھا۔

برہان پور ہی میں چند مدرسوں کی تفصیل اس طرح ملتی ہے:

(۱) ملکہ رقیہ نے محلّہ اتوارہ میں عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی تھی۔ جو ''بی بی کی مسجد'' کے نام سے مشہور ہے یہ خاتون بادشاہِ اعظم ہمایوں عادل شاہ کی ملکہ اور شاہ گجرات مظفر شاہ کی بیٹی تھیں۔ اس مسجد میں عربی فارسی کی تعلیم کے لیے ایک بڑا مدرسہ تھا جس میں دورِ عالمگیری کے مشہور عالم مولانا عبدالعظیم درس دیتے تھے۔

(۲) ''مدرسہ کی مسجد'' جو بُدھوارہ میں تھی۔ اس میں عربی کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام تھا۔ ریاست حیدآباد کے نواب ناصر جنگ کی طرف سے مدرسہ کے مصارف کے لیے ایک لاکھ روپئے سالانہ آمدنی کی جاگیر مقرر تھی۔

(۳) محلّہ سندھی پورہ حضرت شاہ عیسیٰ جنداللہ کا بہت بڑا مدرسہ تھا۔ جس میں تحصیلِ علم کے لیے افغانستان اور پنجاب تک کے طلباء آتے تھے۔

(۴) محلّہ راستی پورہ میں حضرت لشکر محمد عارف باللہ کی صاحبزادی ''حضرت بی راستی'' اعلیٰ درجہ کی کتابوں کا درس پڑھاتی تھیں۔ اور درمیانِ درس عجیب وغریب علمی نکات بیان کرتی تھیں۔ ایک باران کا سبق سننے کے لیے عبدالرحیم خانخاناں راستی پور گیا تھا۔

مغلیہ دور میں عمومی تعلیمی نظام

مغل شہنشاہوں نے تعلیم کے میدان میں جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں اور پورے طور پر ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ان کی علم دوستی، علماء پروری اور علم وفن سے دلچسپی کا تقاضا ہی یہی تھا کہ وہ تعلیم کے فروغ کے لیے شاہی خزانے کا منہ کھول دیں۔ شہنشاہِ اکبر نے اپنے دورِ حکومت میں تعلیمات کا محکمہ قائم کیا۔ اور بلالحاظ

مذہب وملت ملک کے تمام باشندوں کے لیے تحصیلِ علم کے انتظامات کئے۔اس نے نظامِ تعلیم میں اپنے مزاج کی افتاد سے ایسی تبدیلی پیدا کی کہ ہندو اور مسلم دونوں ایک ہی درسگاہ میں پڑھ سکیں اور تمام درسگاہوں میں دیگر مضامین کے ساتھ فارسی کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ چناں چہ اس دور میں بہت سے غیر مسلموں نے بھی فارسی میں اتنی مہارت حاصل لی تھی کہ وہ فارسی کے نامور شاعر اور مصنف بن گئے۔

مغل سلاطین میں تعلیم کے سلسلہ میں اورنگ زیب کا نام سرفہرست ہے، انہوں نے بے شمار مدارس اور دارالعلوم قائم کئے جن میں عربی فارسی اور دیگر علوم وفنون کی تعلیم کا بہترین انتظام کیا ہے، انہوں نے اپنے دینی مزاج کے باعث فارسی زبان کے ساتھ مذہب کی اعلیٰ تعلیم کا بھی انتظام کیا۔ وہ خود بھی سلطانی کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ پایہ کے دیندار عالم اور علم وعلماء کے قدر شناس تھے۔اس لیے تعلیم کی طرف سے غفلت کا جرم ان سے ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ عالمگیر نامہ کے مصنف کا بیان ہے کہ:

''چوں کہ علم وفضل کی تاسیس وترویج کا اعلیٰ حضرت کو بیحد شوق ہے، اس سے اس وسیع ملک کے تمام شہروں اور قصبات میں فضلاء مدرسین کو مناسب وظیفے اور املاک عطا فرما کر علوم کی تعلیم وتدریس میں مشغول فرما رکھا ہے۔ طالبانِ علم کے لیے ہر علاقے میں ان کے حالات ورتبہ اور استعداد کے مطابق وجوہ معیشت مقرر کر دیئے ہیں۔ ہر سال اس مصرف پر احسان شاہی کی مدد سے معتد بہ رقم صَرف ہوتی ہے اور شاہی فیّاضی اور سخاوت کے فیض سے طالبانِ علم وکمال کی تعداد بڑھ گئی ہے اور وہ اطمینان کے ساتھ علم وفنون کے حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں''۔

مغل سلاطین سے پہلے بھی اگر ہم نظر اٹھائیں تو دیگر مسلم بادشاہوں کے عہد میں

بھی مدارس کی کثرت ہمیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ مثال کے طور پر محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں صرف سندھ کے ایک شہر ٹھٹھ میں چار سو مدرسے تھے۔ اور دہلی میں ایک ہزار۔ اس طرح پورے ملک میں نہ جانے کتنے مدارس رہے ہوں گے۔ جس طرح مدارس کی کثرت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح یہ بات بھی مسلم ہے کہ یہ مدرسے زیادہ تر بڑے شہروں میں تھے۔ ہزاروں چھوٹے چھوٹے قصبات و دیہات تعلیم گاہوں سے محروم تھے لیکن ابتدائی تعلیم وہاں بھی کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ اپنے گھر پر یا مسجد میں دیتا ہی تھا۔

اس دور کی با قاعدہ درسگاہیں جن کی عمارتیں ہوں اور جہاں طلبہ کے رہنے کا انتظام ہو بہت کم تھیں زیادہ تر تعلیم و تعلم کا انتظام خانقاہوں یا مساجد کے حجروں میں تھا۔ جہاں نہ طلبہ کی تعداد متعین تھی نہ کتب خانہ، نہ کھانے کا انتظام۔ کچھ علماء اور سرکاری مناصِب پر فائز اہلِ علم حضرات جنہیں بادشاہوں کی طرف سے جاگیریں اور اراضی مدد معاش کے طور پر ملی تھیں۔ اور جو ہر طرح خوشحالی اور فارغ البال تھے۔ بچوں کو حسبۃً للہ پڑھاتے تھے۔ کچھ ایسے علماء حقانی بھی تھے جو کسب معاش کے ساتھ ساتھ اپنے گھر پر درس بھی دیا کرتے تھے۔ کچھ پڑھانے والے ایسے بھی تھے جو تھوڑا علم رکھتے تھے لیکن اسلام کی تعلیم کے مطابق جتنا بھی انہیں علم ہوتا اُسے دوسروں تک پہنچانا ضروری خیال کرتے تھے۔ اس طرح کی بستی بستی اور قصبہ قصبہ میں چٹائیوں پر بیٹھ کر تعلیمی سلسلہ قائم تھا۔ نہ عمارت، نہ کتب خانہ، نہ تنخواہ، نہ مسند۔ اس دور کے علماء کے متعلق خواہ وہ کتنے ہی بڑے شاہی منصب پر فائز ہوں یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ تدریسی مشغلہ کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں۔ معمولی پیمانے پر ہی سہی۔

مغلیہ عہد کے بالکل آخر کی بات ہے جب بعض جاگیرداروں نے باضابطہ مدارس

کھول دیئے تھے۔اوران پر جائیدادیں وقف کردی تھیں لیکن ایسی درسگاہیں جن میں تعلیم پاکرلوگ پورے عالم بنتے تھے۔ وہ صرف مشہور مثلاً حیدرآباد، مینڈھو علی گڑھ، بھوپال، رامپور، بھاولپور، ٹونک، جونپور، پٹنہ، کلکتہ، ڈھاکہ، لکھنؤ اور دہلی وغیرہ میں تھیں جو ہندوستان جیسے وسیع وعریض غیر منقسم ملک میں آٹے میں نمک کے برابر تھیں۔

تحصیلِ علم کی دشواریاں:

اوپر جن بڑے شہروں کی قدیم درسگاہوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے بالخصوص معاشی اعتبار سے پسماندہ طبقات کے لیے ناممکن تھا۔ان میں تعلیم حاصل کرنے کی خاطر امراء، رؤساء، جاگیرداروں اورزمین داروں کے بچے ہی پہنچ سکتے تھے۔جن کی تعداد اتنی کم تھی کہ جوانگلیوں پرگنی جاسکتی تھی۔سواریوں کا کوئی نظم بیل گاڑی اورگھوڑا گاڑی کے سوانہ تھا۔اس کے لیے سینکڑوں دشوارگزارراہوں سے گذرکروہاں چند ہی خوش نصیب پہونچ سکتے تھے۔مزید برآں وہاں کھانے اور رہنے کا انتظام خودہی کرنا پڑتا تھا۔کتابوں کی نایابی ایک مستقل مسئلہ تھی۔اساتذہ زیادہ ترقلم کے لکھے ہوئے اوراق سے ہی سبق پڑھاتے تھے۔لیکن اس وقت حصولِ علم کا شوق اس قدر غالب تھا کہ طالبِ علم سب کچھ یادکرلیتا تھا۔اورجو پڑھ کرفارغ ہوتا وہ کچھ بن کرنکلتا تھا۔ تقریباً ۹۹ رفیصد پسماندہ طبقات کے بچے کے لیے وہاں پہونچ کراعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا تصور بھی خارج ازامکان تھا۔ بالکل آج کل کے ایم بی بی ایس وغیرہ کی جیسی بڑی بڑی سرکاری ڈگریوں کی حصول جیسا معاملہ تھا۔جوسمٹ کراسی طبقہ تک محدود تھاجو لاکھوں کے اثاثہ کا مالک ہے۔یعنی ایک ہزار میں سے ۹۹۹ کے نصیب میں اس آبِ زلال کا آج ایک قطرہ بھی نہیں۔

اسلامی ہند میں بیرونی مسلمانوں کا خیر مقدم:

ہندوستان کی خوشحالی اور مسلم شہنشاہوں کے حسنِ سلوک کا چرچا سن کر حجاز، شام او رسمرقند و بخارا سے بڑی تعداد میں مسلمان یہاں وارد ہوئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ شجر ناموں اورنسب ناموں کا طومار بھی لے کر آئے تھے۔ اورسب کا نسب خلفائے راشدین پر منتہی ہوتا تھا۔ مسلمانوں کے دل میں خلفائے راشدین کی وقعت وعظمت جاگزیں تھی جس سے آنے والوں کا عام مسلمانوں نے بھی شایانِ شان استقبال کیا اور باشاہوں نے بھی ان کو ہر طرح سے راحت وآرام پہنچانے کی خاطر انہیں جاگیریں، اراضی اور معافیاں دیں جس سے وہ انتہائی خوش حال اور فارغ البال ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہی وہ خوشحال طبقہ تھا جو تحصیلِ علم کے لیے تمام دشواریوں کا مقابلہ کر کے بڑی بڑی درس گاہوں میں پہنچتا اور اپنے اخراجات کا بوجھ خود ہی اٹھا کر اعلیٰ تعلیم کی دولت سے مال مال ہوتا اور پھر اونچے اونچے سرکاری عہدوں پر فائز ہوتا تھا۔ بقیہ غریب مسلمانوں میں سے چند خوش نصیب ہی اپنے دور کے عالم وفاضل بن سکتے تھے۔ اس لیے کہنا بجا نہیں ہے کہ تعلیم کا انتظام ضرور تھا۔ لیکن اس کو پھیلاؤ نہیں تھا۔ ہاں قرآن اور موٹی موٹی دینی باتوں کا پڑھنا الگ بات ہے۔ مولانا اسیر ادروی صاحب کے الفاظ ہیں۔

''چوں کہ حکومت میں اعلیٰ مناصب حاصل کرنے کے لیے تعلیم ضروری تھی۔ اس لیے ان خاندانوں کے افراد دور دراز کا سفر کر کے اعلی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ باقی پورا ہندوستان جاہل کا جاہل ہی رہا۔ پوری تاریخ میں آپ ایسے علماء کو انگلیوں پر گن سکتے ہیں جو ان طبقات سے باہر کے ہوں۔''

قیام دارالعلوم دیوبند

انیسویں صدی کے وسط میں جب خاندان ولی اللہ اور مولانا احمد علی سہانپوری کی کوششوں سے صحاح ستہ کے مخطوطات ہندوستان میں آگئے اور ان کی چھپائی کا انتظام ہوگیا تو وہ ہندوستان بھر میں پھیل گئیں۔ لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ اب ایک نئ علمی چھل پہل کا وقت آرہا تھا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ پچاس ہزار لوگ قتل کئے گئے سینکڑوں علماء تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے۔ اور ہزاروں علماء، صلحاء اور مشائخ مجرموں کی طرح پابہ زنجیر کرکے کالے پانی بھیج دیئے گئے، اس وقت مسلمان ایک مجرم کی طرح زندگی گذار رہا تھا، مدارس میں تو انگریزوں کی آمد ہی سے خاک اڑنا شروع ہوگئی تھی، اب مکمل طور پر درسگاہیں ویران اور خانقاہیں سونی ہوگئیں۔ علمی فضائیں خاموش ہوگئیں، ایسے میں علم کا چراغ جلانے سوچنا تو دور کی بات ہے زندگی کے ہی لالے پڑے تھے۔ مسلمان نانِ جو کو محتاج ہوگئے علماء نے ہجرت کی، کچھ روپوش ہوگئے، عام مسلمانوں کے حق میں دنیا تاریک ہوگئی۔

جب ملکۂ وکٹوریہ کی طرف سے عام معافی کا اعلان ہوا اس وقت تک تمام علمی اثاثے لُٹ چکے تھے۔ درسگاہیں کھنڈر ہوگئی تھیں۔ اس کے ٹھیک ۹؍سال بعد ۱۸۶۶ء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء کے ساتھ دیوبند جیسی گمنام بستی میں ایک مدرسہ قائم کیا جو آج ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہے۔ اس دانش گاہ سے اس وقت جو فضلاء نکلتے تھے بالعموم وہ ایک مدرسہ ضرور قائم کرتے تھے۔ قیام دار العلوم کے بعد مدارس کے قیام کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سہارنپور، مرادآباد،

بریلی، لکھنؤ، شاہ جہاں پور، بلند شہر، گلاؤٹھی، خورجہ، مشرقی یوپی اور پھر ملک بھر میں اتنی بڑی تعداد میں مدرسے قائم ہوگئے جن کا شمار بھی مشکل ہے۔ بیماری کے بعد صحت کی، تاریکی کے بعد روشنی کی، لُٹنے کے بعد بسنے کی شدید فکر کا لاحق ہونا تقاضائے فطرت ہے۔ چناں چہ یہ فکر احیاء علوم اور احیاء اسلام کی راہوں میں بڑے کام آئی۔ اور ہندوستان میں دین اور علم دین کے پنپنے اور پروان چڑھنے کے لیے نسخۂ اکسیر ثابت ہوئی، اس طرح گونا گوں تخریبوں کے بطن سے تعمیر کا جنم ہوا اور اسلام کی پاسبانی کے اسباب فراہم ہوگئے۔ اور ان تمام بیداریوں اور مبارک حرکت وعمل کا سہرا صرف دار العلوم دیوبند کے سر ہے جس کے علمی خرمن سے ہندوستان کے تمام فضلاء نے بالواسطہ یا براہِ راست خوشہ چینی کی ہے اور کر رہے ہیں، یہاں صرف ایک مدرسہ جو اُمّ المدارس ہے اسی کا ذکر کیا گیا۔ دیگر نامی گرامی مدارس کا ذکر بڑی طوالت کا باعث ہوگا، اس لیے ان کے ذکر سے گریز کیا گیا۔

کون سا طبقہ دینی تعلیم سے دور ہو گیا؟

دینی تعلیم کے پاک وشفاف چشموں سے مسلمانوں کے کن طبقات نے سیرابی حاصل کی اس کو جاننے کے لیے ملک کے مشہور صاحبِ قلم عالِم، مصنّف، صحافی، تذکرہ نویس اور سوانح نگار مولانا اسیر ادروی صاحب کی ایک عبارت من وعن ملاحظہ ہو۔

''عجیب حیرت ناک بات یہ ہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے اخیر دور میں جو طبقہ اسلامی علوم وفنون پر حاوی تھا۔ انقلابِ زمانہ سے اس کا ذہن ومزاج بدل گیا، مسلمانوں کی حکومت کا نام ونشان مٹ گیا۔ جب اسلامی علوم پڑھ کر حکومت میں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ پاتے تھے۔ اعزاز واحترام کے مقام پر بیٹھائے جاتے تھے۔ خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی گذارتے تھے۔ اسلامی حکومت کے ختم ہوتے ہی جب انگریز کا دورِ حکومت آیا تو اس

نے فارسی زبان کو حکومت کے دفاتر سے خارج کر دیا اب سارے کاروبار انگریزی زبان میں ہونے لگے۔ اب سرکاری ملازمت انگریزی تعلیم کے بغیر ممکن نہیں رہی۔ دارالعلوم جب قائم ہوا تو ہندوستان تاجِ برطانیہ کے سائے میں مکمل طور پر آچکا تھا۔ اس پر ابھی نو سال ہی گذرے تھے اور دبستانِ دیوبند اسلامی علوم وفنون کو نزع کی حالت سے نکال کر ان کو نئی زندگی دینے کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہا تھا۔ اسی دور میں وہ طبقہ انگریزی اسکول کی طرف تیزی سے بھاگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی خوفناک چیز دیکھ لی ہو، انہوں نے دیکھا کہ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے میں کوئی دنیاوی فائدہ نہیں۔ حکومت کے عہدے اور منصب پہلے کی طرح اب ہم کو نہیں مل سکتے۔ اس لیے اب ان کو علوم وفنون سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ پھر بتدریج وہ پورا طبقہ جو کبھی اسلامی علوم وفنون کا اجارہ دار تھا۔ اور آج تک ان کے آباء واجداد کا تذکرۂ شاندار الفاظ میں ملتا ہے، ان کی نئی نسل نے اسلامی علوم وفنون کی تعلیم اس لیے ترک کردی کہ اس تعلیم کے سبب دنیاوی کوئی فائدہ نہیں۔ اب جو خاندان اور گھرانے دین سے بھرپور وابستگی رکھتے ہیں، خدا اور رسول کے طریقۂ زندگی کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ اور اپنے اسلاف کے کارنامے میں عظمت کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ بس وہی دینی مدارس میں آتے ہیں۔ بقیہ خلفائے راشدین کی ساری اولاد ''ماڈرن ایج'' میں داخل ہو چکی ہے۔ اب حجاز سے رشتہ اکمزور ہو گیا، نخلستانِ عرب کے چھاؤں میں ان کو گھٹن محسوس ہونے لگی تو یورپ سے تہذیبِ جدید کی پری چھم چھم کرتی آئی اور اس نے انہیں اپنی سنہری زلفوں کے سائے میں لے لیا۔ اس صورتِ حال نے ملتِ اسلامیہ کی آدھی توانائیاں سلب کرلیں اور اس کی فطری نشو ونمار ک گئی۔''

(سہ ماہی ترجمان الاسلام بنارس، شمارہ جنوری، فروری، مارچ ۹۶ء)

دار العلوم نے غریبوں میں علم کی روشنی تقسیم کی

دار العلوم کا قیام ۹۵ رفیصد پسماندہ مسلمانوں کے لیے بڑی ہی مبارک و مسعود ثابت ہوا۔ اب تعلیمی فال کا قرعہ غریب گھرانے کے نام نکلنے لگا۔ اس نے اور اس کے بعد قائم ہونے والے دیگر مدارس نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے جملہ مادی سہولتوں کا انتظام کیا۔ کتابوں کی فراہمی اب کوئی مسئلہ نہیں رہی۔ قیام وطعام کا بندوبست بھی درس گاہوں کی طرف سے کیا گیا۔ ساتھ ہی قسمت نے بھی یاوری کی کہ آمد ورفت کے اچھے ذرائع وجود میں آگئے۔ چناں چہ پسماندہ طبقات نے جو اعلیٰ تعلیم کے لیے ترس رہے تھے، جوق در جوق عید سے زیادہ خوشی مناتے ہوئے دیوبند پہنچنے لگے۔ یہی حال دوسرے مدارس کا بھی ہوا۔ علوم وفنون کا مقدر جاگ اٹھا اور ان کی نشر واشاعت بڑھ چڑھ کر تحریر وتقریر کے ذریعہ ہونے لگی۔ ابھی چند سال ہی نہیں گذرے تھے کہ دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس نے قابل ترین فضلاء کو علمی وعملی سانچے میں ڈھال کر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر لگا دیا۔ علم کی روشنی سے دل کی دنیا ہی نہیں، گلی کوچے بل کہ گھر گھر روشن ہونے لگے۔ اب وہی پسماندہ طبقہ جس پر کوئی شخص نگاہ غلط انداز ڈالنے کے لیے بھی آمادہ نہیں تھا۔ عامۃ الناس کی دینی رہبری کرنے لگا۔ یہ دار العلوم کا فیض تھا۔ اسلام اور علم دین کا صدقہ تھا۔ پھر علم وعمل کے گارے سے بستیاں تعمیر ہونے لگیں۔ اور عہد صحابہ کا ایک جھلک نگاہوں کے سامنے پھرنے لگا۔ دین اور تبلیغ دین کی باگ دوڑ عہد رسالت کی طرح سماج کے نیچے سے نیچے طبقات کے بھی ہاتھوں میں آئی۔ چناں چہ تدریس وخطابت اور تصنیف وامامت کے اعلیٰ ادنیٰ سبھی عہدوں پر وہی جلوہ افروز ہوئے اور آج تک اسلام کی رگوں میں تازہ خون انہیں کی وجہ سے پہنچ رہا ہے۔ خزاں رسیدہ علمی گلستانوں کی آبیاری انہیں کے دم سے ہو رہی ہے۔

جنوبی ہند میں مدارس کی کمی

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دارالعلوم دیوبند نے جہاں سینکڑوں مدارس قائم کرنے کا بیڑا اٹھایا اور علماء اور اعوام الناکو اس ترجیحی کام پر آمادہ کیا اس کا زیادہ تر اثر ہندوستان کے شمالی حصہ میں ہوا۔ چناں چہ جس وقت وہاں مدارس کی کثرت کے سبب ان کا شمار مشکل ہو گیا عین اس وقت بل کہ اس کے بعد تقریباً ہندوستان کے آزاد ہونے تک جنوبی میں یہی صورت حال رہی۔ یقیناً کچھ مدارس کا قیام تاریخ کی ایک سچائی ہے جس سے چشم پوشی کرنا صداقت کے آئینے کو داغدار کرنا ہے لیکن بہر حال ان کی تعداد شمالی ہند کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ جنوبی ہند میں مدارس و مکاتب قائم کر کے اسلام کی نشأۃ جدیدہ کا سامان مہیّا کرنے اور دین کے چہرے کو روشن اور تابناک بنانے کا مبارک اقدام آزادی سے کچھ پہلے اور زیادہ تر بعد میں ہوا اور خوب ہوا اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔

خاندیس کا خانقاہی نظام اور دینی تعلیم

جنوبی ہند کے تمام علاقے مثلاً دکن، مراٹھواڑہ اور خاندیس و برار وغیرہ کی سر زمین ہندوستان میں مسلم سلاطین کی آمد کے بعد سے ہی علما و مشائخ اور بزرگانِ دین کی اصلاحی سرگرمیوں اور رشد و ہدایت کا مرکز بن گئی۔ اس پورے علاقے میں جابجا ان کے مزاروں کے کتبے ان کے ناموں کی نشاندہی کرتے ہیں اور تاریخ کے اوراق ان کے حالات اور کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں تاہم یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ سبھی اولیاء و مشائخ کے حالات حیطۂ تحریر میں آچکے ہیں۔ نہ جانے اپنے دور کی کتنی ہی موتی کی طرح جگ مگ کرتی ہوئی اور ہمالیہ جیسی شخصیتوں کے حالات گمنام مقام میں سکونت کے سبب گمنامی کی

دبیز تہوں میں چھپ گئے ہیں جن کے ناموں کا بھی صحیح علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

اس علاقے کے اولیائے کرام نے خانقاہوں میں رہ کر تبلیغِ اسلام، سلوک و معرفت، اصلاحِ قلب اور تزکیۂ نفس کے لیے ہر پل اپنے آپ کو مصروف رکھا۔ ان کے دلوں میں بس ایک ہی جذبہ تھا کہ اسلام کے اشاعت ہو اور جو لوگ مسلمان ہیں وہ اللہ والے بن جائیں۔ ان میں اخلاص پیدا ہو، وہ سنتِ نبوی کا اتباع کریں، مساجد کو آباد کریں اور تمام اسلامی اور انسانی صفات سے مزین ہوں۔

علاوہ ازیں ان کے یہاں پہنچ کر لوگ ان سے دعائیں کراتے اور اللہ کی طرف سے اپنی مرادیں پاتے۔ ان کے تعویذ و عمل سے آسیب زدہ اور لاعلاج مریض شفایاب ہوتے، اس طرح دوائے شفاء تقسیم کرنے میں ان کے یہاں ہندو مسلم اور بڑے چھوٹے کا کوئی امتیاز نہیں تھا، چناں چہ ان کی خدمت میں ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگ حاضر ہو کر دل کی تسلی اور ورح کو سکون پاتے۔

خانقاہی مشاغل میں ایک خاص مشغلہ تعلیم کا بھی تھا۔ چناں چہ یہ مشائخ اپنی اپنی خانقاہوں میں بوریئے پر بیٹھ کر درس بھی دیتے تھے لیکن اس باب میں طلبہ کی کوئی متعین تعداد نہیں تھی۔ ساتھ ہی ہمیں اس بات کا بھی علم نہیں ہوتا کہ کتنی خانقاہوں میں تعلیم کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ اس وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے ان خانقاہوں سے کتنے لوگوں نے علوم و فنون حاصل کر کے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ یہ بات بھی پردۂ خفاء میں رہ جاتی ہے کہ اگر کسی خانقاہ میں تعلیمی سلسلہ تھا تو صرف وہی صاحبِ خانقاہ بزرگ اس میں پڑھاتے تھے یا کوئی اور بھی معلم ہوتا تھا۔ عام طور پر پتہ بھی نہیں لگ پاتا کہ خود خانقاہ کے ولی و مرشد کس پایہ کے عالم تھے۔ کیوں کہ علم کو لوگوں نے ولایت کے لیے ضروری نہیں سمجھا لیکن آج مرورِ ایام کے

بعد بھی ان حضرات کی للّٰہیت اور محنت پر ایمان ویقین رکھنا اللہ والوں سے محبت کی علامت ہے اور اسلام میں اس محبت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ پھر بھی کہنا غالبًا گستاخی نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت ہے کہ اس وقت کے خانقاہی نظام نے عوام الناس کے دلوں میں مشیخت اور طریقت کی عظمت و وقعت کو تو جاں گزیں کیا، لیکن علمیت، مدارس کی اہمیت اور دینی تعلیم کی عظمت و اہمیت کو کماحقہٗ جگہ نہیں دے سکا، جس کے سبب عوام اس کی طرف سے غافل ہو گئے۔ اور درگاہوں اور مزاروں کو ہی حقیقی اسلام سمجھ بیٹھے، دینی تعلیم کے فقدان سے اسلام کی شہ رَگ جو کٹ رہی تھی اس عظیم ترین نقصان سے کہیں تو غفلت برتی گئی اور کہیں اس کو اس طرح نظر انداز کیا گیا جیسے یہ مذہب کا کوئی قابلِ التفات عنوان ہی نہیں ہے۔ یہ تاریخ کا ایک ایسا المیہ ہے جس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے ؎

ہر ایک عاشقِ اسلام کو یہ بتلا دو
علومِ دین سے ہوتا نے دینِ حق کا نمو

کتنی عجیب بات ہے کہ آدمی اسلام سے عشق ومحبت کا دعویٰ کرے اور اسلامی تعلیمات اور علومِ نبوت کی جانب نگاہِ غلط انداز ڈالنا بھی گوارہ نہ کرے۔

خاندیس کے دیہاتوں کی تعلیمی پسماندگی

اکل کوا کے اطراف میں دور دراز تک ''ست پُڑا'' پہاڑیوں کے دامن میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں دیہات ہیں۔ جہاں مسلمان بھی جنہیں تڑوی پٹھان کہا جاتا ہے۔ نیز کچھ اور مسلم برادریاں بھی ابنائے وطن کے ساتھ خاصی تعداد میں آباد ہیں لیکن وہ کسی زاویہ سے مسلمان نظر نہیں آتے۔ ان کے رہن سہن، رسم ورواج اور لباس پوشاک بھی ہندوؤں جیسے ہی ہیں۔ پوری پوری بستی میں کوئی چھوٹا بڑا، امیر غریب مرد وعورت شاید ہی

صحیح کلمہ پڑھ سکتے ہوں۔ عین ممکن ہے کہ کلمہ کا لفظ بھی ان کے کان میں کبھی نہ پڑا ہو اور نہ کسی کی زبان سے صحیح یا غلط نکلا ہو۔ وہ شاید یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد ہی آدمی مسلمان ہوتا ہے۔ جب یہ صورتِ حال تھی تو اس بات کا سراغ لگانا ہی نادانی ہے کہ کسی نے قرآن پڑھا ہے یا نہیں۔

یہ لوگ انگریزی دور کے سوڈیڑھ سو برس میں اپنی اصل کو بھی بھول گئے تھے۔ اور خدا اور سول کا نام بھی ان کی زبانوں پر شاید ہی آیا ہو۔ ان دیہاتوں کے مسلمان یہاں کے آدیباسی ہندوؤں کے ساتھ رہتے سہتے تھے سو فیصد انہیں کے رنگ میں رنگ گئے تھے بل کہ سچ تو یہ ہے کہ مذہب کے لحاظ سے وہ ہندو مسلم کسی خانے میں بھی جگہ پانے کے مستحق نہیں تھے۔ بس بہائم کی طرح بے مقصد زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ راحت و آرام اور سکون و آسائش کے ساتھ زندگی گزارنا بھی شاید ان کے مقدر میں نہیں تھا۔ اس لیے ان کی زندگی کسی خوشگوار اور طربناک کیفیت کے احساس سے بھی نا آشنا ہو چکی تھی۔ ان کے لیے سب سے خوشگوار لمحہ وہی مشقت کرنا ہی ان کا بے نظام، نظام الاوقات تھا۔ مسجد مندر سے انہیں کوئی مطلب نہیں تھا۔ وہ نہ اِدھر تھے، نہ اُدھر، بل کہ اِدھر بھی اور اُدھر بھی۔ جہالت اور گمراہی کے تعلق سے انہیں جو نام بھی کوئی دیدے، سب ہی ان کو زیب دیتا تھا۔

آزادی کے بعد جب حکومتِ ہند نے آدیباسیوں اور پسماندہ ذاتوں کو تہذیب وتمدن اور تعلیم سے آشنا کرنے کا بیڑا اٹھایا تو ان کے لیے مفت خوراک و رہائش، وظائف اور جملہ سہولتوں سے بھرپور جگہ جگہ اسکول قائم کئے۔ جس کی ایک مثال خود اکل کوا کا ایک اسکول ہے جہاں راقم کو ایک مسلمان ٹیچر نے مولانا یعقوب صاحب خانپوری (مولانا غلام

محمد صاحب وستانوی کے اولین رفقاء میں سے ایک) کے توسط سے ایک بار بلایا تھا۔طلبہ کے تعلیمی وزن اور عقل وفہم کے معیار کو دیکھ کر کچھ ایسی باتیں میں نے بیان کیں جو ان کی سمجھ میں آجائیں پھر چائے ناشتہ کے بعد مجھے مرکزی حکومت کی سرکاری گاڑی سے جامعہ پہنچادیا گیا۔

اکل کوا کے نواح میں دینی تعلیم کا نظام تعلیم نہیں تھا

خاندیس کے فاروقی سلاطین اور مغلیہ دور کا جائزہ لینے کے بعد یہ یقین کرنے میں ذرا بھی تامّل نہیں ہوتا کہ برہانپور اور اس کے آس پاس کچھ قابلِ دید درسگاہیں ضرور تھیں اگرچہ ان کی تعداد بہت کم تھی ،لیکن انگریز دورِ حکومت میں ان درسگاہوں پر جیسے ہل چلا کر انہیں چٹیل میدان بنادیا گیا ہو۔آزادی کے بعد برہانپور کے علاوہ خاندیس کا ہزاروں مربع کلومیٹر کا علاقہ قابلِ ذکر درسگاہوں سے خالی ہی رہا۔پھر چند مقام پر دوایک مدرسے ضرور قائم ہوئے جن کی ضرورت وافادیت اور خدمات سے انکار کرنا بڑی ناانصافی ہوگی۔ لیکن تین سوکلومیٹر لمبے اور دوسوکلومیٹر چوڑے علاقۂ زمین کی قسمت میں ویرانی ہی رہی۔ جہاں کے عام باشندے کسی مدرسے کا دیدار کرنے والے خوش نصیبوں میں نہیں تھے۔اتنا ضرور ہے کہ تیس چالیس میل کے فاصلہ پر جو بڑے بڑے قصبات تھے وہاں کی مسجد کے ائمہ کے متعلق سنا جاتا ہے کہ وہی سوڈیڑھ سو برس کی طویل مدّت کے دوران قرآن کریم کی تعلیم بچوں کو دیا کرتے تھے۔یہ سلسلہ بھی تعلیمی چراغ کے مدھم ہونے کے باعث دھیرے دھیرے کم ہوتا گیا۔

کہیں کہیں ایسا بھی تھا کہ اماموں کا ہی انتظام نہیں رہتا تھا۔بس جس نے نماز پڑھادی وہ امام ہوگیا اور جس نے اذان دیدی وہ مؤذّن ہوگیا۔ایسے مقامات کی صورتِ

حال تعلیمی اعتبار سے نا گفتہ بہ تھی۔ جہاں بچے قرآن کی تعلیم سے یکسر محروم ہی رہ جاتے تھے اور زندگی بھر محرومی کا داغ لیے ہوئے آخری ٹھکانے پر پہنچ جاتے تھے۔ راقم نے خود ایسے قصبات کے بہت سے لوگوں کو بچشمِ خود قرآن خوانی کے وقت دیکھا ہے جو الگ تھلگ اس لیے بیٹھے رہتے ہیں کہ انہیں قرآن کی تلاوت نہیں آتی۔ ایصال ثواب کے لیے جو قرآن خوانی ہوتی ہے وہی قرآن کی ''ورق کشائی'' کا وقت ہوتا ہے ورنہ قرآن کھولنے کی ہم لوگوں کو ضرورت ہی کب پیش آتی ہے؟ جب قصبات کا یہ حال تھا تو قریوں کا ماجرا سمجھنے میں کسی کو ذرا بھی دشواری نہیں ہوگی۔ ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

روشنی تلے اندھیرا بھی ہوتا ہے

آزادی ہند کے بعد ملک کے طول وعرض میں قیام مدارس کا ایک تانتا بندھ گیا۔ اور اتنے مدرسے عالمِ وجود میں آ گئے کہ اس امر کا کلی اطمینان ہوگیا کہ اب علمِ دین کی شعاعوں سے ملک کا کوئی گوشہ اپنی محرومیٔ قسمت پر اشک ریز نہیں ہوگا پھر بھی قدرت کا حیرت ناک اور عجیب وغریب نظام ہے کہ طوفان کی سی روانی کے ساتھ بہنے والے آبشار کے اطراف بھی پانی اور ہریالی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ گلشن میں گل وغنچہ کی زیادتی اس امر کی ضمانت نہیں دے سکتی کہ اس کے نواح میں بنجر اور سنگلاخ زمین کا کوئی قطعہ نہیں ہے، معموروں کے گرد وپیش ویرانیوں کا بھی ڈیرا ہوتا ہے۔ صاف وشفاف شاہراہوں کی بغل میں غلاظت وگندگی کے انبار بھی پائے جاتے ہیں۔ سورج کی روشنی عالمگیر ہونے کے باوجود ہر خطۂ ارضی کو منور نہیں کر پاتی۔ کچھ اوبڑ کھابڑ اور نشیب وفراز کے بے ہنگم علاقے روشنی اور گرمی کے لیے ترستے ہی ہیں ٹھیک اسی طرح اکل کوا کی بستی میں کبھی کبھی مسجد میں تعلیم کا کوئی نظم رہا ہو تو ہو، لیکن برہان پور تک کے طویل وعریض علاقے تعلیمی لحاظ سے

سپاٹ میدان ہی تھے۔ کہیں بھی تعلیمی سرگرمیاں نہیں تھیں۔ جہالت کی تاریکیوں کا گوشہ گوشہ میں بسیرا تھا۔ اورعلم دین دور کھڑے ہوکر ایک اجنبی بل کہ مجرم کی طرح چھاتی پیٹ پیٹ کر رورہا تھا۔ اس کو گلے لگانے والا بل کہ پرسانِ حال تک کوئی نہیں تھا۔

اِسے خوش نصیبی کہیے یا ایک نئے زرّیں عہد کا آغاز کہ اکل کوا میں جامعہ قائم ہوجانے کے بعد علاقے کی قِسمت جاگ اٹھی۔ تاریکیاں سمٹ گئیں، علم کے نور کی ''دلفریب اور ایمان افروز چادر فضاء میں تن گئی۔ عوام کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔ نئی نسل نے جو قرآن کو چھوتی بھی نہیں تھی گلے لگایا۔ اس طرح ایک نا قابلِ معافی بے التفاتی اور ''جنایت'' کا کفّارہ ادا ہوا۔ خدا بھی خوش ہوا اور اس کے بندے بھی ایک حسین انقلاب کو دیکھ کر اور اسلامی قلعہ کے سائے میں آ کر مطمئن شادکام ہوئے۔ دین اور دنیا کے بگڑے ہوئے کاموں کے غیب سے بننے کا سامان فراہم ہوا۔ اللہ اور رسول کی باتوں کو اشاعتِ عام کا ایک طاقتور اور مؤثر ذریعہ وجود میں آیا۔

جامعہ اسلامیہ اکل کوا کا دروازہ پورے عالَم کے لیے کھلا ہوا ہے

کتاب کے آغاز میں ہی اکل کوا کی گمنام بستی کا ایک مختصر خاکہ پیش کردیا گیا ہے۔ اب ذرا مزید تفصیلات اور متعلقہ امور پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ پہلے بھی ایک چھوٹی سی بستی تھی اور آج ہر چند کہ یہ ایک تعلقہ بن گیا ہے۔ پھر بھی اس کی آبادی دس پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں ہے اور مسلم وغیر مسلم تقریباً مساوی تعداد میں آباد ہیں لیکن اگر اس کی معنوی وسعت پر نظر کی جائے تو آج ایک لمبی چوڑی دنیا اس میں آباد ہے۔ تاریخی کتابوں میں جہاں تک اپنی رسائی ہوسکی کہیں اکل کوا کا نام نہیں ملتا۔ یہ نام بس سرکاری دفتروں کے رجسٹروں اور پٹواریوں کے کھاتوں ہی میں موجود ہے۔

اکل کوا خاندیس کے ایک کنارے واقع ہے جہاں سے دو چار کلومیٹر پر ہی گجرات کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندیس اور گجرات میں تاریخ کے ہر دور میں قربت اور قرابت دونوں ہی پائی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگوں کی رشتہ داریاں آج بھی گجرات میں ہیں۔ اور اکل کوا میں گجراتی پڑھنے اور بولنے والے بھی ہیں۔ تقریباً یہاں کے سبھی لوگ گجراتی سمجھ لیتے ہیں اور بول لیتے ہیں۔ خاندیس اور گجرات کے سلاطین کبھی ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اور کبھی ان میں ٹھن جاتی تھی۔ اِس طرح ہمیشہ ہی تعلق قائم رہا ہے۔ اکل کوا کے اطراف کی بستیوں؛ مثلاً: تلودہ، نندوربار، شہادہ اور نواپور پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو گنگا جمنی تہذیب کا منظر دکھائی دے گا جو یہاں کے لوگوں کی مشترکہ وراثت ہے۔

اب اگر خاندیس اور گجرات کے وہ لوگ جو سرحد سے قریب ہیں یہاں سے وہاں جا کر آباد ہو جائیں تو ان کو ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوگی کیوں کہ وہ ایک دوسرے کی طرز معاشرت سے واقف ہیں اور شاید من جانب اللہ یہی وہ چیز تھی جو اکل کوا میں ایک مدرسہ قائم ہونے کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی اور یہ سعادت گجرات کے حصہ میں آئی جس پر کسی کا زور نہیں، یہ مقدرات کی باتیں ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بل کہ اگر نگاہ کو وسعت دیکر دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ گجرات کے لوگوں نے دنیا کے ہر خطّے میں اپنے قدم رکھے ہیں اور وہاں ایسی یادگاریں قائم کی ہیں جو لوحِ زمانہ پر ثبت ہو چکی ہیں۔ یہ خطۂ ارضی اپنی عام دینداری فیاضی اور خوشحالی کے سبب آج بھی ہندوستان بھر میں مشہور ہے، جِس کا فیض پورے ہندوستان میں بل کہ دنیا میں پہنچ رہا ہے۔

(تبلیغی مرکز نظام الدین دہلی کو کون نہیں جانتا، وہاں جا کر اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ دین پر فِدا ہونے والے پروانوں کی طرح کس طرح ان لوگوں نے اپنے آپ کو

اسلام پر قربان ہونے کے لیے آمادہ کر رکھا ہے۔)

یہاں نہ مدارس کی کمی ہے نہ مساجد کی اور مہاراشٹر کا خطہ جو کئی اعتبار سے نہایت اہمیت اور عظمت کا حامل ہے اور پورے ہندوستان میں نمایاں ہے۔ لیکن ہندوستان کے آزاد ہونے تک یہاں دینی اور اسلامی درسگاہوں کی بہت کمی تھی۔ اب یہاں بکثرت مدارس قائم ہو چکے ہیں، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پورے ہندوستان کے مدارس کا سروے کر کے مشاہدہ کر لیجئے کہ اگر وہاں دیہات کے بچے تحصیلِ علم کے لیے نہ آئیں تو وہ ویران ہو جائیں گے۔ شہر کے بچوں کا تعلیمی رشتہ تقریباً ۹۵ رفیصد یا اس سے بھی زیادہ عصری تعلیم سے ہے۔ یہی حال جامعہ اکل کوا کا بھی جو ۷۵ رفیصد دیہات کے بچوں سے معمور ہے۔ زیادہ تر شہروں کے وہی بچے مدرسوں میں آتے ہیں جو معاشی اعتبار سے کمزور ہیں۔ بہر حال اکل کوا سے براہِ راست زیادہ تر مہاراشٹر ہی کو فیض پہنچ رہا ہے۔ ساتھ ہی ہندوستان کی تقریباً تمام ریاستوں کے بچے اس درسگاہ میں زیرِ تعلیم ہیں۔ یہی صورتِ حال اساتذہ کے سلسلہ میں بھی نظر آئے گی۔ یہاں کے اساتذہ اچھی خاصی تعداد میں یوپی، بہار، گجرات، مہاراشٹر اور دیگر صوبہ جات کے ہیں جو تدریسی خدمات سے وابستہ ہیں۔

جامعہ کا مقصد روزِ اول سے ہی پورے ہندوستان بل کہ عالم کے لیے اپنے فیض عام کی صلائے عام ہے اگر چہ اکل کوا اور اس کے مضافات کو ہی دیکھ کر اس کی بناء قیام کا دل میں داعیہ پیدا ہوا۔ اور آج خدا کے فضل و کرم سے یہ ادارہ اتنا بڑا اور اس قدر مشہور ہو گیا ہے کہ اگر کوئی اس کو ایشیاء کا نہیں، برصغیر کا نہیں، ہندوستان کا نہیں بل کہ کم سے کم الفاظ میں مہاراشٹر کا ہی دار العلوم کہہ دے تو یقیناً اس نے نہ تو کوئی مبالغہ اور کذب بیانی کی اور نہ حق سے کچھ زیادہ دیا بل کہ خدا لگتی بات تو یہ کہ کچھ کم ہی دیا۔

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی (رحمۃ اللہ علیہ)

اور مولانا غلام محمد وستانوی صاحب

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کے قیام اور تعلیمی میدان کو وسعتِ صحرا دینے والے اس عظیم علمی معہد کا تذکرہ پڑھنے والے حضرات سے التماس ہے کہ تھوڑی دیر اور انتظار کر کے ایک بہت اہم باب کو پڑھ کر ہی آگے بڑھیں۔ اس کے بغیر ادارۂ ہذا کو من جانب اللہ جو تائید و نصرت حاصل ہو رہی ہے اور اس کی بقاء و استحکام اور ترقی و فروغ کے جو اسباب مہیا ہو رہے ہیں، اس کا ایک خاص پس منظر نگاہوں سے اوجھل رہ جائے گا۔

اس ادارہ کو روزِ اول سے وقت کے ایک عظیم مصلح و مربی اور عارف و مرشد حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی اعلیٰ ترین سرپرستی حاصل ہے جو اس کے لیے فال نیک اور اس کے عروج وارتقاء کا زینہ ہے۔ آپ کے فیوض و برکات اور رشد و ہدایت کی نہر رواں ہندوستان کو ہی نہیں بل کہ بیرونِ ہند کو بھی سیراب کر رہی ہے۔ آپ کا نورانی چہرہ ہم ظاہر بینوں کی نگاہ میں آپ کی روشن ضمیری کا بانگِ بلند اعلان کر رہا ہے۔ آپ کے سلوک و معرفت کے اعلیٰ ترین منصب کو تو وہی سمجھ سکتا ہے جو خود بھی اہلِ دل ہو اور جس کا قلب بھی معرفت کے چراغ سے روشن ہو۔ ہم نا اہلوں کو اس کی کیا خبر؟ بس اتنا ہے کہ خدائے برتر کی توفیق سے آپ کو دیکھنے اور آپ کی باتیں سننے کا موقعہ زیادہ تر اکل کوا میں اور ایک بار رنجنی میں ہوا ہے۔ مصافحہ کے بعد جانبین سے خیریت معلوم کی گئی۔ مجھے یقین ہے کہ میرا نام بھی انہیں معلوم نہیں ہوگا۔ اور نہ میری یاد کا کوئی گوشہ ان کے دل میں محفوظ ہوگا۔ یوں بھی دلوں میں لعل و گہر اور ہیرے جواہرات کا خیال باقی رہتا ہے اور سنگریزے حافظہ سے نکل جاتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی امر ہے۔ مجھے اچھی طرح

یاد ہے کہ ہمیشہ میں نے آپ کا چہرہ بغور دیکھنے کے سِوا اور کچھ نہیں دیکھا، چہرے پر ہی نگاہیں اس طرح مرکوز ہوکر رہ گئیں کہ ہاتھ پاؤں اور انگلیوں کو دیکھنے کا ہوش ہی نہیں رہا۔

آپ کی ذات سے جہاں ایک طرف اصلاح وارشاد کی مسند کو زینت مل رہی ہے۔ وہیں دوسری طرف مسندِ تدریس بھی آپ کی ذات پر بجا طور پر فخر کررہی ہے، جس طرح آپ تصوف ومعرفت کے امام ہیں، اسی طرح عربی، فارسی، اردو زبانوں پر کامل عبور رکھنے کے علاوہ جملہ علوم وفنون کے بحرِ موّاج بھی ہیں، ہر علم وفن کی کتابوں کا درس مہارت تامّہ کے ساتھ دینے میں آپ کو ید طولی حاصل ہے۔ اسی طرح آپ وقیع ترین کتابوں کے لائق شارح اور مصنف بھی ہیں جو درحقیقت آپ کی عمیق علمیت اور فضل وکمال کی آئینہ دار ہیں۔ آپ کا طریقۂ اصلاح وارشاد زمانۂ حال کی زیادہ تر مشیخت سے بالکل الگ ہے جہاں عالمانہ فضائل کوئی اہمیت نہیں دی جاتی لیکن آستانِ صدیقی پر سینکڑوں مرشدینِ کامل کی طرح علم وفضل کے سورج کی رہنمائی میں سلوک ومعرفت کی راہوں پر چلنے کا طریقہ رائج ہے۔ اور یہی تصوف کے منشور کا اصل ضابطہ ہے۔ بنابریں انہیں لوگوں کو یہاں کے طریقۂ کار اور اصلاح میں عجیب کشش محسوس ہوتی ہے جو علم کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ اور علم کی روشنی میں عمل کے جذبہ کے ساتھ اپنی اصلاح وتزکیۂ نفس کی خاطر آتے ہیں، بقیہ تمام وہ لوگ جو تن آسانی اور سہل نگاری سے کام لینا چاہتے ہیں اور احکامِ شرع اور سنتوں پر عمل کے بجائے صرف کشف وکرامات اور خواب اور تعبیر ہائے خواب کو ہی اصل دین سمجھتے ہیں اور پیر صاحب کی دعاؤں پر تکیہ کرکے عمل کی مشقت اٹھانے کے خوگر بننا نہیں چاہتے، ان کو یہاں بار نہیں مل سکتا۔ اور وہ یقیناً کبھی بھی اپنی منزل پر پہنچ بھی نہیں سکتے، شاید انہیں معلوم نہیں کہ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ حضرت قاری صاحب مدظلہ کا تدریسی مشغلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے، چناں چہ ایک عرصہ سے اپنے وطن ہتھوڑا ضلع باندہ، یوپی میں اپنے ہی قائم کئے ہوئے مدرسہ میں حدیث وغیرہ کی تدریس میں مشغول ہیں اور باقی اوقات میں لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی خاطر اپنی تمام تر ذہنی، قلبی اور جسمانی توانائیوں اور عزمِ جواں کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔ ہزار لوگ آپ کے تعویذوں اور دعاؤں سے بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔

مولانا غلام وستانوی صاحب:

آپ نے دور طالبِ علمی میں جب فلاح دارین ترکیسر گجرات میں زیرِ تعلیم تھے۔ حضرت مولانا زکریا صاحبؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور سے بیعت واصلاح کا تعلق قائم کیا، لیکن اس کے باوجود دیگر بزرگانِ دین کی خدمت میں بھی فیض یابی اور اکتسابِ نور کی غرض سے حاضر ہوتے اور قلب وروح کو جلا بخشنے کا سامان فراہم کرتے رہتے۔ جب حضرت شیخ الحدیث افریقہ والوں کے اصرار پر تشریف لے گئے اور پھر مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو مصلح وقت اور مرشد کامل حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، حضرت مفتی صاحب نے جب آپ کی طبیعت کا اچھی طرح اندازہ لگایا تو حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی (رحمۃ اللہ علیہ) سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کا ایما فرمایا۔ چناں چہ حضرت باندوی کے ساتھ مولانا وستانوی کا ایسا اصلاحی تعلق قائم ہوا کہ اب وہی ان کے مصلح ومرشد مربی ومزکی، مستشار ومؤتمن، ان کی امیدوں کے مرکز، ان کے اعتمادوں کی پناہ گاہ اور ان کے مقاصد اور منصوبوں اور تعلیمی عزائم کے سلسلے میں قائد مخلص اور صائب الرائے مشیر کی حیثیت رکھنے لگے۔ حضرت قاری صاحب کے ساتھ مولانا وستانوی کو جو عقیدت اور ان کی ذاتِ والا صفات پر جو اعتماد ہے

اس کا اظہار کچھ اس طرح ہوسکتا ہے ۔

وہ فانوسِ طریقت ہیں وہ اک شمعِ ہدایت ہیں
اشاروں پر انہیں کے اپنے سر کو خم کیا میں نے
عقیدت کے عوض ان کی محبت میں نے پائی ہے
جو مانگا دیدیا میں نے، جو بخشا لے لیا میں نے

حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم بھی اپنے اس عاشقِ صادق اور کامل عقیدت مند پر خاص لطف وکرم کی نگاہ رکھتے ہیں۔ چناں چہ انہوں نے جب دین اور علمِ دین کی تعلیم سے جنون کی حد تک مولانا وستانوی کا شغف دیکھا تو دعاؤں سے ان کی راہوں کے کانٹے صاف کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ حضرت وستانوی نے شاید ہی تعلیمی لائن سے کوئی منصوبہ بنایا ہو اور وہ تشنۂ تکمیل رہ گیا ہو۔ اور شاید ہی عالم بیداری میں کوئی خواب دیکھا ہو جو شرمندۂ تعبیر نہ ہوا ہو۔ آپ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے والے مولانا وستانوی کا حال یہ ہے کہ بارہا ایسے اوقات بھی آتے ہیں جب کہ مصروفیات آپ کے دامن کو پکڑ پکڑ کر کھینچتی ہیں پھر بھی شوق ومحبت کے پاؤں سے چل کر نہیں جنونِ عشق کے پروں سے اڑ کر چند ساعت کے لیے ہی سہی دیدار صدیقی کے لیے آستانِ عقیدت پر باندہ پہنچ جاتے ہیں۔ اور سال بھر میں ایسا کئی مرتبہ ہوتا ہے پھر وہاں پہنچنے کے بعد دین کی محبتِ، اسلام کا عشق، علمِ دین کی اشاعت کا بے پایاں شوق، خدا کے کلام کو گھر گھر پہنچانے کا شدید داعیہ اور علم نبوت کو عام کرنے کا تقاضائے پیہم لے کر تمام توانائیوں، امنگوں اور حوصلوں کے ساتھ اکل کوا واپس آجاتے ہیں۔ آپ جتنی دیر میں باندہ پہنچ کر حاضری دے کر اور روح کی داروئے شفا لے کر آجاتے ہیں۔ اتنی دیر تو راحت کے طلبگاروں اور سہولت

پسندوں کو پروگرام کی ادھیڑ بن میں لگ جاتی ہے۔

اپنا خیال ہی نہیں یقین ہے کہ مولانا وستانوی اپنی والہانہ عقیدت ومحبت اور شیفتگی ووارفتگی کے باعث ہی حضرت قاری صاحب کو ان کی پیرانہ سالی، مصروفیات اور گوناگوں معمولات کے ہوتے ہوئے بھی طویل سفر کی زحمت کے باوجود بار بار اکل کوا لے کر آجاتے ہیں۔ ورنہ شاید کوئی اور بڑی مشکل سے ہی اِدھر کے علاقہ کے اپنے ادارہ یا مدرسہ میں انہیں لانے کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس کو یہ سعادت مل جاتی ہے اس میں بھی براہِ راست یا بالواسطہ حضرت وستانوی کی ہی درخواست کا دخل ہوتا ہے۔ یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حضرت والا کو بھی اس عقیدت مند سے خاص لگاؤ ہے اور بقول وستانوی -وہ انہیں اپنے سعادت مند بیٹے کی طرح چاہتے مانتے ہیں۔ اور تاحدِ امکان ان کی ہر خواہش کی تکمیل کی سعی فرماتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے آپ کو خلعتِ خلافت سے بھی سرفراز فرما چکے ہیں۔

اکل کوا کے تاریخی حالات

اگر کوئی اکل کوا کے اجمالی یا تفصیلی حالات تاریخ کی کتابوں کے صفحات سے معلوم کرنے کی کوشش کرے تو اس کو بڑی مایوسی ہوگی۔ ہم نے اس کی بڑی کوشش کی۔ اہلِ علم سے دریافت کیا اور جو کتابیں سامنے تھیں ان کو بڑی تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ پڑھتے رہے۔ اور ڈھونڈتے رہے کہ کہیں کسی گوشے میں یہ نام مل جائے مگر کتابوں میں یہ ہمارے لیے عنقا ثابت ہوا اس لیے عمر رسیدہ اور معتبر لوگوں سے یہاں کے حالات معلوم کئے جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں، انہیں شنیدہ روایات کو بنیاد بنا کر اکل کوا کے

بارے میں منتخب اور قابل اعتبار باتیں معرض تحریر میں لائی جارہی ہیں اور ان کونقل کرنے میں کافی احتیاط سے کام لیا جارہا ہے کیوں کہ مستقبل کا تذکرہ نگار انہیں بنیاد بنائے گا اور ان کو مکمل صداقت واستناد کی صورت میں پیش کرے گا۔

اکل کوا کی قدامت:

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ بستی ٹھیک اس زمانے میں آباد ہوئی ہے۔ جب سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گل ہورہا تھا۔ اور فرنگیوں کا نیّرِ اقبال وسطوت ہندوستان کے افق پر طلوع ہورہا تھا۔ بل کہ اس کی کرنیں ہندوستان کے رخ پر پوری طرح پڑ چکی تھیں۔ بہت سے علاقوں میں ان کے قدم جم رہے تھے۔ اوراہم ترین خطوں پر وہ اپنی حکومت بھی قائم کر چکے تھے، اس طرح تقریباً دوسو برس پرانی یہ بستی ہے کیوں کہ کچھ معتبر اور ثقہ لوگوں نے اس کے آباد ہونے کا سن ۱۸۰۱ء بتایا ہے۔ اس وقت یہاں سات چھوٹے چھوٹے اسٹیٹ تھے جو انتظام کی سہولت کے لیے بنائے گئے تھے۔ اور ہر اسٹیٹ ایک جاگیردار کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ جو حکومت کو اپنی وفاداری کے ثبوت کے ساتھ ہی زمین کا ٹیکس ادا کرتا تھا۔ اور فارغ البالی کی زندگی گزارتا تھا۔ وہ ساتوں اس طرح ہیں۔

کاٹھی، گنٹھا، رائے سنگ پور، سنک پور، نالا، سوجڑان، ساگ بارا۔

اکل کوا کا علاقہ کاٹھی اسٹیٹ میں آتا تھا، جس کا راجہ (جاگیردار) گمان سنگھ تھا۔

وجہ تسمیہ:

یہ بات ہمیشہ سے عوام وخواص کی زبان پر ہے کہ یہاں ''آکل'' کا ایک درخت تھا جو سایہ دار ہوتا تھا، اس کے پاس ہی ایک کنواں تھا، جہاں لوگ آرام کی غرض سے بیٹھا کرتے تھے۔ کنوئیں کا پانی شیریں یا شور تھا۔ اس کا پتہ نہیں لگ سکا۔ وہاں چند مکانات بھی تھے۔ اور

یہی اس وقت کی آبادی تھی جو ہر چہار طرف پھیل گئی۔ یہی دونوں الفاظ اس کے نام اس کے نام کا سبب قرار پائے۔ بتایا جاتا ہے کہ آگُل کے درخت میں پھل بھی لگتے ہیں جو بہت کڑوے ہوتے ہیں۔ اور یہ مشہور ہے کہ اس کے کھانے سے مُنہ پھٹ جاتا ہے۔ واللہ اعلم!

مسلم برادریاں

اکل کوا میں مسلمانوں کی چار مشہور برادریاں ہیں۔ مکرانی، انصاری، میمن، کھٹکی۔

مکرانی: یہاں کے مسلمان ۷۵ رفیصد مکرانی ہیں جن کی نسل کے بڑھنے اور پھیلنے کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ مکران کا علاقہ جو ایران میں واقع ہے، وہاں شہسوار نامی ایک شخص تھے جو غالباً فوج میں ملازم تھے۔ اور طبعاً بہت بہادر اور خوددار تھے۔ ساتھ ہی دین ودیانت کے خلاف کوئی کام برداشت نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت کر دی، جس کی پاداش میں حکومت نے ان کو ملک بدر کر دیا۔ چناں انہوں نے وہاں سے نکل کر راولپنڈی اور گجرات کے راستے سے اکل کوا پہنچ کر بالکل قریب ہی کے ایک دیہات ''بوری کنواں'' میں قیام کیا۔ یہاں بھی آنے کے بعد انہوں نے بغاوت کی کوشش کی لیکن بے سروسامانی کے باعث کامیاب نہیں ہو سکے۔ پھر اکل کوا میں آ گئے اور سکونت اختیار کر لی۔ انہوں نے چار شادیاں کیں اس لیے ان کی اولاد میں بڑی برکت ہوئی یہی سبب ہے کہ مسلمانوں میں آج تک اس خانوادہ کے افراد کی اکثریت ہے۔ یہ لوگ آج بھی اپنے آپ کو مکرانی، ایرانی اور بلوچ کہتے ہیں لیکن زیادہ لوگ اپنے نام کے ساتھ ''بلوچ'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور یہی لفظ سرکاری اور غیر سرکاری کاغذات میں درج ہوتا ہے۔ یہ لوگ شکل وشبہات اور رنگ وروپ کے لحاظ سے خاندیس کے قدیم کا باشندوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

یہاں سب سے پہلے مسلمانوں کا جومحلّہ آباد ہوا وہ ''مکرانی پھلی'' ہے یہیں مسجد کے قریب ہی بائیں جانب مذکورہ شخص شہسوار صاحب کی قبر ہے اور اکل کوا کے قبرستان میں سب سے پہلی قبر ''میران جمعدار مکرانی'' کی ہے۔

انصاری: کاٹھی کے راجہ گمان سنگھ نے دھولیہ سے انصاری برادری کے لوگوں کو بلا کر اکل کوا میں بسایا، اس وقت وہ بیس گھر پر مشتمل تھے۔ اب ان کی تعداد تلاشِ معاش میں منتشر ہو جانے کے سبب کم ہوگئی ہے۔ اس بات کا واضح ثبوت نہیں ملتا کہ آخر اس کو ایسی کونسی عقیدت تھی جس کے سبب ان مسلمانوں کو بلا کر اپنے یہاں آباد کیا۔ اس کی وجوہات مختلف ہوسکتی ہیں۔ سب سے بڑی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ اس برادری کے لوگوں میں دینی اسپرٹ اور مذہبی حمیّت ہر زمانے میں زیادہ ہی رہی ہے۔ چناں چہ مالیگاؤں اور دھولیہ میں جہاں یہ لوگ آباد ہیں دین سے ان کا والہانہ شغف صاف نظر آتا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ مساجد کی تعمیر، دینی تعلیم اور حفظِ قرآن وغیرہ کے انتظامات میں پیش پیش رہتے ہیں۔

عین ممکن ہے کہ اسی سبب سے راجہ گمان سنگھ نے ان لوگوں کو بلالیا ہو، چناں چہ یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ اس نے اپنے تحفّظ کے پیشِ نظر پاسبانی کے فرائض پوری وفاداری سے ادا کرنے کے لیے انہیں اکل کوا میں بسنے کے لیے دعوت دی ہو کہ اچھے اور نیک مسلمان ہیں اور میرے ساتھ بیوفائی نہیں کریں گے۔ یہ لوگ نسلاً ''نواب بارہ بنکی'' یوپی کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ہزاروں مسلمانوں کی طرح یہ لوگ بھی پہلے مالیگاؤں آئے اور پھر دھولیہ منتقل ہوکر بود و باش اختیار کر لی۔

کھٹکی: مسلمانوں کی یہ برادری مویشیوں اور ذبیحہ کے جانوروں کی خرید و فرخت کرتی ہے، ان لوگوں نے ۱۸۸۱ء میں آ کر اکل کوا میں سکونت اختیار کی۔

میمن: ہندوستان بھر میں یہ برادری مشہور ہے اور بالعموم دینی اور فلاحی کاموں میں پیش پیش رہتی ہے۔ یہ لوگ ۱۹۴۰ء میں گجرات سے آکر آباد ہوئے، ان کی تعداد بہت کم ہے۔

مساجد: اکل کوا میں ۵رمساجد ہیں، ۴راکل کوا میں اور ایک مکرانی پھلی میں۔

مسجد اکل کوا:

جناب عبدالرحمٰن انصاری ساکنِ اکل کوا کے قول کے مطابق قدیم ترین مسجد وہی ہے جو اکل کوا میں ہے۔ اور وہی جامع مسجد ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ جب یہاں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہوا تو لوگوں نے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ اور عوام سے چندہ اکٹھا کیا گیا۔ کاٹھی کے راجہ گمان سنگھ نے بھی تعاون کے طور پر تعمیر مسجد کے لیے کچھ رقم دی، اور مسجد بن کر تیار ہوگئی۔ لیکن پہلی تعمیر کا سن پردۂ خفاء میں رہ گیا ہے۔ دوبارہ اس کی تعمیر ۱۹۳۵ء میں ہوئی، تعمیرِ نو کی ابتداء جناب عبدالجبار صاحب کے ہاتھوں ہوئی لیکن ان کے انتقال کے باعث ان کے لڑکے جناب علاؤالدین سیٹھ نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ یہ باپ بیٹے انصاری برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی سہ بارہ تعمیر جامعہ اسلامیہ اکل کوا کے تعاون سے ۱۹۸۱ میں حسین طرز پر ہوئی اور مسجد کا ایک بالائی منزلہ بھی تعمیر ہوا اور پانی اور غسل ووضو کے تمام لوازمات کا سلیقہ سے انتظام کیا گیا۔

مسجد مکرانی پھلی:

یہ مسجد مکرانی پھلی میں ہے اور یہاں کے قدیم باشندے جناب عبدالمجید جمعدار کے قول کے مطابق یہی قدیم ترین مسجد ہے لیکن اس کے بانیوں میں کون کون سے لوگ

پیش پیش تھے اور کس سن میں اس کی تعمیر ہوئی ان باتوں کا مستند طور پر کوئی پتہ نہیں لگتا۔ البتہ اس کی دوبارہ تعمیر جناب دوست محمد اسماعیل نے ۱۹۲۷ء میں کرائی۔

نوٹ: ہمارے قیاس کے مطابق جب یہاں کی قدیم ترین آبادی مکرانیوں کے سبب سے بسی اور جس کے باعث اس محلّہ کا نام مکرانی پھلی پڑا غالباً یہیں کی مسجد قدیم تر ہوگی۔ واللہ اعلم!

آج کا اکل کوا:

آج یہ ضلع نندور بار کا بہت چھوٹا تعلقہ ہے۔ جس میں سوا سو سے زیادہ دیہات ہیں۔ پوری تحصیل معہ قریہ جات کی آبادی ایک لاکھ دس ہزار سے متجاوز ہے، جس میں ایک لاکھ کے لگ بھگ آدیباسی ہیں اور بقیہ اونچی ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

اکل کوا کی ایک قابلِ ذکر شخصیت:

پچاس ساٹھ برس پہلے کی بات جب اکل کوا میں دینی تعلیم کے لیے دور تک کوئی سازگار ماحول نہیں۔ اور نہ تعلیم کے نام سے کوئی شخص مانوس تھا کہ ایک صالح نوجوان دینی تعلیم کے حصول کے لیے گھر سے نکل پڑا۔ اور دہلی و دیوبند پہنچ کر علم سے مالا مال ہوا، اس بندۂ خدا کا نام حسنِ اتفاق سے غلام محمد ایرانی تھا۔ انہوں نے دیوبند سے فراغت حاصل کی تھی یا نہیں لیکن وہاں تعلیم ضرور حاصل کی تھی۔ آپ کے اساتذہ میں قابلِ ذکر نام علامہ مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ تحصیل علم کے بعد یہ آ کر مکرانی پھلی کی مسجد میں امامت کرنے اور بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے میں مصروف ہو گئے اور یہ سلسلہ بائیس سال تک جاری رہا (بعد میں یہاں علم دین کی تعلیم کے لیے بہت بڑی فانوس روشن کرنے کا سہرا ایک دوسرے ہمنام کے سر بندھا جن کو مصلحِ وقت شیخ اجل حضرت مولانا عبدالحلیم جونپوری دامت برکاتہم نے ''غلام محمد ثانی'' کا نام دیا۔

اِس کے بعد وہ کولہاپور چلے گئے اور وہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، آپ کے بھانجے اور ان کی اولاد وغیرہ اب بھی سانگلی (مہاراشٹر) میں قیام پذیر ہیں۔

معتبر عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ مولانا غلام محمد ایرانی بدعات وخرافات کے سخت مخالف تھے۔ لیکن ان کے قلع قمع میں کبھی تشدد سے کام نہیں لیتے تھے بل کہ حکمت اور حسن تدبیر سے ان کی قباحتوں کو واضح کر کے لوگوں کو اتباع سنت کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اور کسی بھی بدعت کے پرستار سے نفرت کا برتاؤ نہیں کرتے تھے بل کہ دوست اور ''ناصح مشفق'' بن کر اس کو راہِ راست پر لاتے تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے عابد وزاہد اور شب زندہ دار تھے۔ شب وروز عبادت وریاضت میں مشغول ہی رہتے تھے۔ اور چوبیس گھنٹہ مسجد کے حاضر باش تھے۔ مسجد کی طرف سے بہت مختصر تنخواہ تھی۔ اور وہ بھی تمام کی تمام رفیقوں اور ہم نشینوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ آپ کا دو وقتہ کھانا دو آدمی کے گھر سے آتا تھا۔ (آپ نے نکاح نہیں کیا تھا اس کی مصلحت اور راز خدا ہی جانے) کبھی کبھی حاجی یعقوب صاحب کے گھر سے بھی کھانا آجاتا تھا جو تادم تحریر باحیات ہیں اور ماشاء اللہ بہت پرہیزگار اور تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن ہیں۔ جماعتوں میں آپ کا بہت وقت لگتا ہے۔ جس زمانے میں (سن معلوم نہیں) مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نواپور ضلع میں تشریف لائے تھے تو اکل کوا سے جو تین حضرات وہاں پہنچ کر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے تھے، ان کے اسمائے گرامی مندرجۂ ذیل ہیں:

(۱) مولانا غلام محمد ایرانی (۲) حاجی یعقوب ابن حاجی ابراہیم بلوچ (۳) حاجی نذر محمد۔ اِسی مجلس میں نندوربار کے جناب عبدالصمد پٹواری بھی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ ان باتوں سے دل کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہاں کے لوگوں میں قبول حق

کی صلاحیت پہلے سے بھی موجود تھی لیکن وہ مکمل طور پر اجاگر اسی وقت ہوتی ہے جب اس کے مناسب اسباب مہیا ہو جائیں۔ اور پہلے سے وقت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔

حاجی یعقوب صاحب کا ایک خواب:

حاجی یعقوب صاحب نے بیان کیا کہ جامعہ کے قیام سے پہلے ایک رات میں نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا اور آج بھی خواب کے تمام مناظر میری آنکھوں کے سامنے گویا موجود ہیں۔

اکل کوا سے باہر (موجودہ جامعہ سے ہٹ کر) ایک قدیم مزار ہے جو حاکم علی بابا کے نام سے مشہور ہے اور یہاں کے لوگوں کے دل میں صاحبِ مزار سے عقیدت ومحبت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں وہاں موجود ہوں اور پھر میری آنکھوں کے آگے ایک سمندر تھا، وہاں ایک بزرگ نے تین کٹوریاں مجھ کو دکھلائیں اور کہا کہ ان میں سے تمہارے کام کی کوئی چیز نہیں ہے، ان میں جہنم کی کوئی شیٔ ہے (واللہ اعلم)؛ پھر انہوں نے دوسری پیالی مرحمت فرمائی جس میں کوئی مشروب تھا اور مجھے پینے کا اشارہ کیا؛ میں نے حسب الحکم پی لیا، اس کا ذائقہ ایسا انوکھا اور مزے دار تھا کہ لذتِ کام و دہن کے ساتھ دل فرحت وسرور سے جھوم اٹھا، پھر میری آنکھ کھل گئی اور اس وقت بھی میں اس کی لذت محسوس کر رہا تھا؛ اور آج تک جب بھی وہ خواب یاد آتا ہے، تو اسی لذت کا نا قابلِ بیان احساس ہونے لگتا ہے۔ اب اللہ ہی جانے اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔ خواب میں سمندر نظر آنے، تین کٹوریوں میں گندی چیز ہونے اور ایک کٹوری میں ذائقہ دار مشروب ہونے کی تعبیر وہی لوگ بتا سکتے ہیں جو اس فن کے ماہر ہیں؛ راقم الحروف اس باب میں بالکل کورا ہے۔

اکل کوا کے دو مخیّر حضرات:

کسی مدرسہ یا کسی بھی رفاہی یا فلاحی ادارہ کے تعمیر کے لیے سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ زمین کی حصولیابی کا ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ موجودہ جامعہ کے سامنے بھی تھا۔لیکن اس کو اکل کوا کے دو ثروت مند، اہل خیر اور باحوصلہ حضرات نے بحسن وخوبی اور بہ طیب خاطر حل کر دیا یعنی اپنی کاشتکاری کی زرخیز لمبی چوڑی جگہ جامعہ کے لیے وقف کر دی اور اپنے لیے وقیع زادِ آخرت فراہم کرلیا۔ان دونوں حضرات کے نام یہ ہیں:

(۱) حاجی یعقوب صاحب (۲) حاجی سلیمان صاحب

مولانا وستانوی کی شخصیت

جب تک کسی انسان کی طبیعت وفطرت، میلانات ورجحانات اور مخفی صلاحیتوں اور نفسیات کا صحیح طور سے اندازہ نہیں ہوتا، اس وقت تک یہ قیاس آرائی نہیں کی جاسکتی کہ اس کے لیے عملی زندگی کا کون سا شعبہ زیادہ موزوں ہوگا۔اور کس میدان میں وہ کامیابی سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔مولانا وستانوی ایک مستند عالمِ دین ہیں۔روزہ نماز والے آدمی اور متورع و پارسا ہیں۔ظاہراً و باطناً پابند شرع ہیں لیکن وہ کس کام کے لیے زیادہ مناسب ہیں یہ اسی وقت سمجھ میں آسکتا ہے جب کسی شخص کے کچھ ایام ان کی مصاحبت میں گزرے ہوں، خدا کا شکر ہے کہ دس مہینہ تک گھنٹوں راقم الحروف کو ان کے پاس بیٹھنے اور ان سے گفتگو کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

۳۳ رسال گذر چکے جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کو خوش اسلوبی سے چلانے اور مختلف طریقوں سے دینی، تبلیغی فلاحی اور تعلیمی خدمات انجام دینے کا میری ہی

طرح ہزاروں افراد کو مشاہدہ ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی بہت سے لوگوں ان کو متنوع جہات سے دیکھنے کا موقع پایا ہے اس لیے ذیل کی منظوم سطریں پڑھ لینے میں نہ تو کوئی مضائقہ ہے اور نہ وقت کا ضیاع ؎

اے تو وہ اِک دلِ پیر درد جس کے پاس ہے
اے کہ تجھ کو قوم کے حالات کا احساس ہے
اے کہ تیری قوم کی دکھتی رگوں پر انگلیاں
اے کہ نبّاض ہے ہشیار ہے، حسّاس ہے
بیٹھے بیٹھے سن رہاہے قوم کی آواز کو
گو قلم اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں قرطاس ہے
عزم ہے پختہ ترا، ایمان ہے محکم ترا
یاس سے نفرت ہے تجھ کو، تو مجسّم آس ہے
طالبانِ علم دیں کے واسطے قاسم ہے تو
اور تبلیغی جماعت کے لیے الیاس ہے
جب نظر جوہر شناسوں کی ترے رخ پر پڑی
تب کھلا جا کر کتنا قیمتی الماس ہے
اے کہ تیرے چاہنے والوں کا سیلِ بیکراں
ہے دلیل اس کی تو مقبول عوام الناس ہے

اِس خاک کے پُتلے کا ظاہری خاکہ اور ہیئت اجمالی طور پر اس طرح ہے:

گندمی رنگ، کشادہ، پیشانی، وجیہہ چہرہ، دوہرا بدن، دراز قد، بڑی بڑی چمکدار

آنکھیں، کم گنجان داڑھی، بال تقریباً تمام سیاہ، سفید لمبا کرتا پاجامہ، سفید گول ٹوپی، گاؤتکیہ کا سہارا لگائے، کبھی دوزانو، کبھی یک زانو بیٹھے ہوئے، ٹناٹن آواز، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پانی پیتے ہوئے، کبھی کام میں مصروف، کبھی لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے، چالیس پچاس کے درمیان کا سن وسال، اور اگر ان کی طبیعت وفطرت اور حرکت وعمل کو جاننا ہو یا مزاج کی افتاد کو سمجھنا ہو تو ذیل کی سطور حاضر ہیں۔

دوسال پہلے راقم الحروف آں محترم کی خواہش پر جامعہ اسلامیہ میں ایک سال تدریسی خدمت انجام دے چکا ہے۔ اس لیے یہاں ان مزاج وطبیعت کے بارے میں جو کچھ عرض کیا جائے گا اس کی بنیاد شنیدہ نہیں دیدہ اور خبر نہیں مشاہدہ ہوگا۔ ان کی قوتِ فیصلہ بڑی تیز اور محکم ہے چناں چہ جب وہ کسی منصوبہ کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو اس پر پوری طاقت کے ساتھ مضبوط اور ناقابلِ تسخیر چٹان کی طرح جم جاتے ہیں اور اس کو عملی جامہ پہنا کر ہی دم لیتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا بے جا نہیں ان کے کسی کام کے آغاز وانجام کا فیصلہ بہت ہی کم ہوتا ہے۔ ارادہ کیا، فیصلہ کیا اور کام شروع کر دیا اور اس وقت تک اطمینان کا سانس نہیں لیتے جب تک کام پورا نہیں ہو جاتا۔ میرے خیال کے مطابق ان کے نزدیک زندگی کا دلکش اور حسین تصور یہی ہے کہ پوری قوم علمِ دین اور تجویدِ قرآن کے زیور سے آراستہ ہو۔ وہ کسی جگہ جانے کے بعد صرف اسلامی اور دینی روایات کے چلتی پھرتی شکل میں دیکھ کر سکون اور راحت پاتے ہیں۔ علوم دین کے اساتذہ میں خلوص، محنت اور کام کی لگن کی فضاء ہی انہیں پیاری معلوم ہوتی ہے۔ مہمانوں کو دیکھ کر انہیں کچھ اس طرح کی خوشی محسوس ہوتی ہے جیسے عرصۂ دراز سے بچھڑے ہوئے دوست اچانک نظر کے سامنے آگئے ہوں۔ مہمان بھی میزبان کی خوش خلقی اور وسعتِ ظرفی دیکھ کر اسے دل میں جگہ دیتے ہیں۔ مساجد کی تعمیر کر

کے، مکاتب قائم کرکے، ائمہ واساتذہ کا تقرر کرکے، تعلیم یافتہ بیکاروں کو کام پر لگا کر اور کسی دینی ادارہ کا تعاون کرکے انہیں وہی خوشی ملتی ہے جو ابتداء اسلام میں تھوڑے سے صحابہ کو کسی کے اسلام لانے سے ملتی تھی۔

یتیموں، بیواؤں، مسکینوں، اپاہجوں اور مریضوں کا کام نکال دینا ان کی زندگی کا بہترین اور خوش کن مشغلہ ہے اور ان امور کی انجام دہی میں وہ خود اپنی صحت وآرام کے خیال کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ ان کی محنت ومشقت اور مسلسل دوڑ دھوپ کو دیکھ کر کبھی کبھی خیال گزرتا ہے کہ خدایا یہ مٹی سے بنائے گئے ہیں یا فولاد سے کب کسی کی تخلیق ہوئی ہے؟ لیکن یہ باور کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے ارادے، ان کے عزائم، ان کے خیالات، ان کی ہمت اور حوصلے یقیناً فولادی ہیں۔ وہ (رکاوٹوں، مشکلوں، پریشانیوں اور الجھنوں سے شکست قبول کرکے کبھی ہتھیار نہیں ڈالتے، وہ جب مشکلات پر قابو پانے کا عزم کرلیتے ہیں تو ان کی ذات میں سیلاب کی روانی، دریا کی طغیانی، کہسار کی شوکت، فولاد کی قوت، آبشار کا شور اور طوفان کا زور سب کچھ بیک وقت جمع ہوجاتے ہیں۔ اگر اپنی زبان اور گفتگو سے کسی مخالف کے بھی دل کو موم کرنے کی ٹھان لیں تو پل بھر میں شبنم کی خنکی، صبا کی ٹھنڈک، چاندنی کی لطافت، پھولوں کی مہک اور بُلبل کا ترانہ بن جاتے ہیں۔

جب کسی سے محو تکلم ہوتے ہیں تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ آپ سب سے زیادہ میری طرف ہی التفات کرتے ہیں۔ اور پھر پورے طور پر اس کی بات سنتے ہیں اور اپنے جواب سے اس کو مطمئن کردیتے ہیں۔

مولانا وستانوی ایک انسان اور بشر ہی ہیں کچھ معصوم اور فرشتہ نہیں ہیں۔ اس لیے کبھی کبھی غصہ آنا فطرت کا تقاضہ ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے جب کبھی غضبناک ہوتے

ہیں تو شب وروز حاضرِ خدمت رہنے والے بھی سامنے جانے سے گھبراتے ہیں، پھر چند لمحوں کے بعد سارا غصہ کافور ہو جاتا ہے اور چہرے پر وہی سابقہ بشاشت لوٹ آتی ہے۔

آپ بال بچے والے ہیں لیکن جامعہ اور مکاتب و مدارس کے تقاضوں کے پیشِ نظر سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ پھر بھی جہاں تک راقم کو معلوم ہے آپ کی خانگی زندگی بڑی خوش گوار اور انتہائی معتدل اور متوازن ہے۔ آپ جہاں سفر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں وہاں فوراً پہنچ جاتے ہیں، ان کے آنے اور جانے میں دیر نہیں لگتی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آج آمد ورفت اور مواصلات کے جو تیز رفتار ذرائع ان کو میسر ہیں وہ ہمارے ان مخلص خادمانِ علم دین کو میسر نہیں تھے۔ جن کا شمار سابقین اولین میں ہے۔ اس لیے محدود اور کم ذرائع و وسائل کے باوصف ان کی چاند سورج جیسی روشن خدمات اور زریں کارناموں کو پل بھر کے لیے بھی نگاہوں سے اوجھل رکھنا نادانی ہے اور انہیں یاد کرکے ان کی دینی و علمی یادگاروں کی قدر دانی کرنا اور ان کی محنتوں کو خراج عقیدت پیش کرنا عین تقاضائے دین وایمان اور مقتضائے فہم وفراست ہے۔

آج اس خادمِ علم دین کے لیے زمین کی طنابیں کھنچ گئی ہیں۔ اس کے لیے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ اس کے لیے سمتوں اور جہتوں میں اتصال ہوگیا ہے، اس کا ایک قدم دنیا زمین کے پھیلاؤ کو پسینہ آئے اور آسمان کو اپنے طول وعرض کی کوتاہی کا شکوہ ہو۔ جو شب کی خلوتوں میں خدا سے مانگتا ہے۔ اور دن کے اجالوں میں نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ جس کی سرگرمیاں بنگال اور آسام تک ہیں اور جس کی جولانیاں راجستھان سے کشمیر تک ہیں، مختصر یہ کہ مولانا وستانوی زمین کے ہر خطّے کو اس لیے اپنا کہتے ہیں کہ وہ ان کے خدا کا خطّہ ہے۔ یعنی

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدا ماست

وہ کسی مقام پر کوئی مکتب، مدرسہ یا مسجد بنانے کے سلسلے میں ہر چند کہ لوگوں کی باتیں بغور سن لیتے اور مقام ومحل کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں پھر بھی آخری فیصلہ اپنی صوابدید کے مطابق ہی کرتے ہیں۔

بایں ہمہ اگر کوئی اپنے اطراف اور گرد وپیش کی خاردار جھاڑیوں سے نگاہیں پھیر کر پوری دنیا کو چمن زار بنانے کے عزم سے نکل پڑے تو یہ عقل ودانائی کا کام نہیں۔ بنابریں اپنے آس پاس کی آرائش وزیبائش پر کچھ زیادہ ہی توجہ مرکوز رکھنا فطرت اور جبلت کا تقاضا ہے۔ ہر ہر موڑ پر چراغ جلانا بڑا مستحسن کام ہے لیکن جو راہیں اپنے گھر کے پاس سے گزرتی ہیں ان کو تیرہ وتاریک اور ناہموار چھوڑ دینا ہوش وخرد سے بیگانگی کی علامت ہے۔ اس حقیقت کا اظہار اس لیے ضروری ہے کہ قرب وجوار کے لوگوں کو کوئی غلط فہمی نہ ہو اور انہیں یہ کہنے کا موقع نہ ملے۔

تو کار زمیں را نکو ساختی　　　　که با آسماں نیز پرداختی

مولانا وستانوی کو ہند اور بیرونِ ہند عوام وخواص کا جو زبردست اعتماد ہے وہ کم تر خوش نصیبوں کو ملا ہوگا۔ چناں چہ اکثر وہ اپنی بلند بانگ دعاؤں میں یہ فقرۂ دعائیہ ضرور پڑھتے ہیں:

''خدایا جو لوگ ہم پر اعتماد کرکے دور دراز سے جامعہ کو مال وزر بھیجتے ہیں ان کی جان ومال میں برکت عطا فرما''۔

آپ انتہا درجہ کے مردم شناس اور جوہر شناس آدمی ہیں۔ بعض اساتذہ اپنے تقرر کے وقت کہتے ہیں کہ ''میرا درجۂ کتب میں تقرر کر دیجئے'' تو جواب دیتے ہیں کہ ''نہیں آپ کے لیے درجۂ دینیات ہی زیادہ مناسب ہے'' تقرر کرتے وقت بعض اساتذہ سے

یہ بھی کہتے ہیں کہ ”آپ درجۂ عالیت کے لیے زیادہ موزوں ہیں کیا کروں اس وقت جگہ خالی نہیں ہے“۔

کچھ بہروپیے لوگ (خدا انہیں ہدایت دے) بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کی غرض سے مسجد و مدرسہ کی فرضی رسید لے کر آپ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے فریب کار لوگوں کو آپ فوراً تاڑ لیتے ہیں اور خود ہی اپنی جیب سے سو دو سو روپیہ دے دیتے ہیں اور رسید دینے کو منع کر دیتے ہیں (دو ایک مرتبہ مجھ کو اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے)۔

آپ کی طبیعت میں انتہا درجہ کی انتہا پسندی ہے۔ انہیں بہت ٹھنڈا پانی بھی کم ٹھنڈا معلوم ہوتا ہے۔ بہت گرمی اور سردی بھی انہیں کم ہی لگتی ہے۔ بہت خوبصورت چیز بھی انہیں کم خوبصورت لگتی ہے۔ یہ یہی حال دیگر اشیاء کا بھی ہوگا۔ شاید اتنا بڑا جامعہ بنا کر بھی انہیں اب تک ”کم بڑا“ ہی لگتا ہوگا۔ دراصل انتہا پسندی وہ صفت ہے جو انتہائی درجہ پر پہنچ کر بھی منتہی نہیں ہوتی اور ستاروں سے آگے کسی اور جہاں کی تلاش میں رہتی ہے۔ اِس صورتِ حال کے پیشِ نظر یہ یقین کر لینے میں ذرا بھی تأمل نہیں ہونا چاہیے کہ انہیں اپنے اساتذہ کی زیادہ تنخواہ بھی کم ہی معلوم ہوتی ہوگی۔ وہ بار بار یہ کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ اساتذہ عیش کی زندگی پر للچائیں لیکن یہ ضرور خواہش رکھتا ہوں کہ عزت آبرو کے ساتھ ان کے اہل و عیال کو بغیر کسی تنگی کے دال دلیہ میسر آ سکے۔

اکل کوا کسی مردِ مومن کو آواز دے رہا تھا

اکل کوا میں تاریخ کے کسی دور میں با قاعدہ اور مسلسل دینی تعلیم کا کوئی نظام نہیں تھا۔ ہاں وقتاً فوقتاً قرآن اور دینیات کی تعلیم کے انتظام کا سراغ ملتا ہے۔ اس لیے یہاں کی

سرزمیں ایسے چشمۂ علم کے لیے ترس رہی تھی جو صبح سے شام اور شام سے صبح تک رواں دواں رہے۔ چناں چہ اہلِ دل سن رہے تھے کہ اکل کوا کسی مردِ مومن کو آواز دے رہا تھا جو تقدیروں کو بدل دے اور جو علم کی مشعل روشن کر کے گرد و پیش کو منور کر دے۔ کسی ایک ایسے مردِ حق پرست کی یہاں ضرورت تھی جو تعلیم کا اونچا مینار تعمیر کر کے اس کی بلندیوں پر علم کا صور لے کر چڑھ جائے اور اس کی ایک صدائے برق آسا سے اطراف کے لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے جہالت کے جامہ کو تار تار کرنے کا بیڑا اٹھائے اور پوری فیاضی سے علم کا زریں لباس زیبِ تن کرنے کے لیے ''اذنِ عام'' کی آواز لگائے۔ یہ خطۂ ارضی علم شریعت کے لحاظ سے نہایت ہی غیر ذی زرع تھا۔ جہاں کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں آیا تھا کہ یہاں علم کی اشاعت کے لیے ایسا پودا لگایا جائے گا جو ایک بھاری بھر کم تناور درخت کی شکل اختیار کر لے گا۔ جس کی چھاؤں میں ہزاروں آدمی سکون سے بیٹھیں گے اور دل کا آرام پائیں گے ساتھ ہی یہاں سے روح کی غذا کا سامان لے کر جائیں گے، یہی نہیں بل کہ اس درخت میں اتنی کثرت سے پھل پھول لگیں گے جن کا شمار بھی مشکل ہوگا۔

یہ بیاباں قال اللہ اور قال الرسول سننے کے لیے بیتابی کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔ یہاں کی فضائیں تلاوتِ قرآن کی پاکیزہ و ایمان افروز نواؤں سے محظوظ ہونے کے لیے سراپا گوش تھیں۔ یہاں کا ذرہ ذرہ علم کے نور سے روشن ہونے کے لیے پیکرِ انتظار تھا۔ یہاں راہوں کے پتھروں اور روڑوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اس وقت تک اپنی جگہ سے جنبش نہیں کریں گے جب تک ہم کو علم کی اشاعت کی بشارت نہیں سنائی جائے گی۔ یہاں زمین کی تہوں نے تہیہ کیا تھا کہ ہم اپنے پانی کو سطحِ زمین تک پہنچنے نہیں دیں گے جب تک علم کے پیاسوں کی معنوی سیرابی کا بندوبست نہیں کیا جائے گا، یہ مختلف صدائیں عرش تک پہنچ رہی

تھیں۔اور یہ آواز گنہگار انسانوں کی نہیں تھیں بل کہ جمادات کی صدائیں تھیں۔جو زبانِ قال سے محروم ہوتے ہیں لیکن زبانِ حال سے سب کچھ کہہ سکتے ہیں۔ چناں چہ کاتبِ تقدیر نے پل بھر میں ایک حکم صادر کر دیا جس میں کبھی کوئی ردّ و بدل نہیں ہوتا۔اس فرمان سے اکل کوا کا مقدّر جاگ اٹھا اور یہاں سے علم کا ''چشمہ سیّال'' جاری کرنے کا آسمانوں پر اٹل فیصلہ ہو گیا۔اور

خدا جب فیصلہ کرتا ہے دیں کی سر بلندی کا
اذانوں کی صدا اٹھتی ہے صحرا و بیاباں سے

قَسّامِ ازل کی طرف سے ایسا فیصلہ بارہا ہو چکا ہے۔مثلاً

دیوبند جیسی گمنام بستی کو کوئی نہیں جانتا تھا۔لیکن جب اس کی طرف سے وہیں سے علمِ دین کی اشاعت کا فیصلہ ہوا تو تمام ہندوستان او ربیرونِ ہند میں اس کا فیض پہنچا۔اس آفتاب کی کرنیں ہر ہر خطۂ ارض پر پہنچنے کے لیے بے تاب ہو گئیں۔چناں چہ چھوٹے بڑے،امیر غریب اور دور ونزدیک کے لوگوں تک دین اور علمِ دین کی روشنی پھیل رہی ہے۔یہاں کے فیض رواں کا مشاہدہ حیرت کے ساتھ چشمِ فلک،عالمِ بالا کے فرشتے اور دنیا کے بسنے والے شب و روز کر رہے ہیں۔

پھر اس کے بعد سینکڑوں مدارس ومکاتب کے ذریعہ دنیا کے مالک نے علم کی روشنی پھیلانے کا فیصلہ کیا۔جن کی روشنی بھی دور قریب پہنچی اور پہنچ رہی ہے۔ان میں بڑے بھی ہے اور چھوٹے بھی جن میں سے بعض درسگاہیں اپنا ایک منفرد مقام،خصوصی شناخت اور تشخص و امتیاز رکھتی ہیں اور وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

آیئے!اب ماضی قریب کی طرف نظر گھمائیں۔

تبلیغی تحریک ایک بہت ہی معمولی علاقہ سے اٹھی اور اس کا آغاز ایسی قوم سے کیا گیا جو اس مہذب دنیا میں بھی نہایت غیر مہذب اور کندۂ ناتراشیدہ تھی۔ ان لوگوں کو ''میو یا میواتی'' اور ان کے علاقے کو میوات کہا جاتا ہے لیکن جب اس پر محنت کی گئی تو پوری دنیا پر اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ اور کم وبیش ہر جگہ اس کے اثرات نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ آج ایمان ویقین کی جو کہکشاں نظر آرہی ہے وہ اس محنت کا ثمرہ ہے۔ کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا کہ ایسے ''پُر مشقت مشن'' کی کشتی اور ایسی ''صبر آزما'' اور ''نفس کشی'' تحریک کا سفینہ کبھی ساحل سے ہمکنار ہوگا۔ لیکن بندے کا کام کوشش کرنا ہے اور کامیابی رب العالمین کے دستِ قدرت میں ہے۔ چناں چہ خدا نے اس تحریک کو دنیا بھر میں پھیلا دیا۔

اس تحریک وسعت ومقبولیت نے عام طور پر یہ فضا قائم کردی کہ اگر کسی دینی کام کو اخلاص وللّٰہیت اور خدا کی ذات پر کامل اعتماد ویقین کے ساتھ شروع کیا جائے اور اپنی تمام طاقتوں کو اس کے لیے وقف کردیا جائے تو آسمانوں میں تائید ونصرت کے فیصلے ہوتے ہیں پھر خدا اس نظام کا اپنی قدرتِ کاملہ سے تکفل کرتا اور آسانیاں پیدا کرتا ہے اور امت کو اس کی طرف مائل کرتا ہے۔ لوگ اس کی طرف اس طرح جھپکتے لپکتے اور امنڈتے چلے آتے ہیں جیسے شہد کی مکھیاں پھولوں پر ٹوٹتی ہیں۔

خلاقِ جہاں کی مرضی ومشیت سے جامعہ اکل کوا قائم ہوا۔ یہ وہ دانش گاہ جہاں علمِ دین وشریعت اور تعلیمِ قرآن کا ایک عظیم مرکز ہے وہیں احیاءِ اسلام کی ایک تحریک بھی ہے اور آج یہ دونوں امور اس معہد علمی کے قائم ہونے کے بعد بوجہ احسن واتم پائے جارہے ہیں۔ دراصل احیاءِ علوم اور احیاءِ دین ایک ہی سکے کے دو رخ اور ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں اور لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب ایک پر بھرپور محنت کی جائے گی تو دوسرے پر بھی محنت کرنے کا شوق یقیناً دلوں میں پیدا ہوگا جس کی آج سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

اکل کوا میں ایک مردِ مجاہد کا ورود:

تقدیر کے مالک نے اکل کوا کی سرزمین کو علمِ دین، علمِ شریعت اور علم قرآن کی دولت سے مالا مال کرنے اور پورے خطۂ خاندیس کو بل کہ اس کے باہر کو بھی، علمی چمن بنانے کے لیے ایک گمنام شخص کا انتخاب کرلیا۔ (شہرت بعد میں نصیب ہوئی) جن کا نام مولانا غلام محمد وستانوی ہے۔ اس طرح اس پورے علاقے میں تعلیم کی نمایاں اشاعت اور علمِ دین کو فروغ دینے کا ''قرعۂ فال'' انہیں کے نام نکلا، قدرت کی نگاہ میں ان کے اندر یقیناً کچھ خوبیاں رہی ہوں گی اور اگر نہ بھی رہی ہوں تو بارگاہ لایزال سے اوصاف وکمالات ملنے میں دیر نہیں لگتی۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ انہیں کو اِس کام کے لیے کیوں منتخب کیا گیا۔ اس کا جواب کسی بھی دانشور کے پاس نہیں ہے، یہ باتیں خدا کی مشیّت وارادہ سے تعلق رکھتی ہیں اور اس کے کسی فعل میں کسی کا دخل نہیں اور نہ وہ کسی کے مشورہ کا محتاج ہے۔

کیا ان کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ وہ عالمِ دین تھے؟ کیا اس لیے کہ وہ ثروت مند تھے؟ کیا اس لیے کہ وہ وسیع تعلقات اور اثر ورسوخ والے آدمی تھے؟ کیا اس لیے کہ وہ بہت زیادہ جسمانی اور دماغی طاقتوں سے بہرہ ور تھے۔ کیا اس لیے کہ وہ کسی نامی گرامی خاندان کے چشم وچراغ تھے؟ کیا اس لیے کہ ان کے پاس بڑی بڑی علمی اسناد تھیں؟ کیا اس لیے کہ وہ بزرگانِ دین سے محبت رکھتے تھے اور کسی مرشد کامل سے بیعت بھی ہو چکے تھے۔

نہیں نہیں! ان میں سے کسی وصف کے لحاظ سے وہ فرد فرید نہیں تھے۔ ہزاروں دولت مند لوگ ہزاروں مشہور ومعروف شخصیتیں، ہزاروں قوی وذہین افراد، ہزاروں صاحبانِ حسب ونسب، سینکڑوں بڑی بڑی علمی اسنار رکھنے والے، بڑے بڑے سینکڑوں مصنفین ومؤلفین، خطباء وائمہ، مبلغین وواعظین، سجادہ نشینانِ ذیشان اور اہل اللہ سے تعلق

رکھنے والے ہندوستان کی سرزمین پر موجود تھے۔ لیکن ان میں سے کسی اور کا انتخاب سوائے مولانا وستانوی کے نہیں کیا گیا، یہ سب قدرت کے رازہائے سربستہ ہیں جن کی تہہ تک آج تک عقل انسانی کی رسائی نہیں ہوسکی یہ صرف مالک الملک کی ذرّہ نوازی ہے کہ وہ اپنی قدرتِ کاملہ اور اختیارِ مطلق کی بنیاد پر بڑوں بڑوں کو چھوڑ کر حقیر و بے مایہ اور کمتر وکہتر انسان سے دین کا کام لے لے اور وہ ہمیشہ لیتا رہا ہے۔ اس میں کسی کی اجارہ داری نہیں، رب دوجہاں کی ذات ہی سب کچھ ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے جس سے چاہتا ہے کام لے لیتا ہے۔ اس میں کسی کی اجارہ داری نہیں، رب دوجہاں کی ذات ہی سب کچھ ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے جس سے چاہتا ہے کام لے لیتا ہے۔ یہاں ایک نکتہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ دینی، تعلیمی، ملّی اور تبلیغی کاموں میں صلاحیت، لیاقت اور بڑی بڑی ڈگریوں اور اسناد کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، تھوڑی واقفیت رکھنے والے اور معمول سوجھ والے سے بھی بشرطیکہ اس میں صلاحیت پیدا کرنے کی طاقت ہو، کارہائے نمایاں کرالیے جاتے ہیں۔ اِس کو یوں سمجھنا آسان ہے کہ دین کی راہوں میں جادہ پیمائی کے لیے اہلیت شرط نہیں ہے۔ بس خدائے عزوجل کی طرف سے انتخاب ہو جانا چاہیے پھر یقین کیجئے کہ بیڑا پار ہے۔ چناں چہ حق تعالیٰ کی حکیم وعلیم ذات نے اپنے علم وحکمت کی بنیاد پر مولانا غلام محمد وستانوی کو اکل کوا پہنچادیا۔

تعلیمی حالت کا جائزہ:

اکل کوا پہنچنے کے بعد جس چیز نے آپ کے قلب ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا وہ دیہاتوں کی تعلیمی پسماندگی تھی، آپ نے قریوں اور دیہاتوں کے مسلمانوں سے ملاقات کی، ان سے گفتگو کی، ان کو دیکھا بھالا، اور ان کی تعلیمی حالت کا جائزہ لیا اور دل ہی دل

میں سوچنے لگے۔

خدایا یہ کیسے مسلمان ہیں، ان کو اسلام کے کس خانے میں جگہ دی جائے، کیا مسلمان اسی طرح بے مقصد زندگی گزارتا ہے۔ان میں تعلیم نہیں اور دین سے ادنیٰ درجہ کا بھی تعلق نہیں ہے۔نہ خدااور رسول کے نام سے کوئی آشنائی ہے۔کلمہ نماز تک سے یہ لوگ ناواقف ہیں۔ پوری پوری بستی میں کوئی شخص بھی کسی زاوے سے مسلمان نظر نہیں آتا۔ چناں چہ خاندیس کے ہزاروں دیہاتوں کی تعلیمی فکر آپ کے دل ودماغ کا کانٹا بن گئی۔ ان باتوں کے پیش آپ کو شروع ہی سے یہ خیال دامن گیر ہوگیا کہ دیہاتوں کے مسلمانوں کے دینی وتعلیمی نظام کو پختہ کرنا ازبس ضروری ہے تاکہ ان کی جہالت دور ہو اور تعلیمی فقدان سے جو قومی اور ملی نقصان ہو رہا ہے۔اس کا انھیں بھی اچھی طرح احساس ہو جائے اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ آج دنیا میں جو اربوں کی تعداد میں مسلمان ہیں ہم بھی انہیں کے افراد ہیں۔اور ہم کو بھی کم از کم تعلیم کے میدان میں نمایاں کردار ادا کر کے ان کی صف میں شامل ہو جانا چاہیے اور پھر ان کے دل میں اپنی نسلوں کو علم دین کے زیور سے آراستہ کرنے کا عزم صمیم پیدا ہو۔

مولانا نے دیکھا کہ اکل کوا کے اطراف میں ''ست پڑا'' پہاڑیوں کے دامن میں سینکڑوں سینکڑوں دیہات ہیں جہاں مسلمان بھی جنہیں ''تڑوی پٹھان'' کہا جاتا ہے، ابنائے وطن کے ساتھ خاصی تعداد میں آباد ہیں۔(ان کے علاوہ بھی کچھ دیگر مسلم برادریاں آباد ہیں) لیکن ان کی زندگی کے ہر زاویہ پر ہندو آدیباسیوں (خاندیس کی قدیم ترین ذات) کی چھاپ پڑ گئی ہے۔اور وہ پورے طور پر انہیں کے رنگ میں رنگ گئیں۔ان ساری بستیوں میں کوئی چھوٹا بڑا، امیر غریب، مرد وعورت شاید ہی کلمہ صحیح پڑھ سکتے ہوں،

عین ممکن ہے کہ کلمہ کا بول بھی کبھی ان کے کان میں نہ پڑا ہو اور نہ کسی کی زبان سے صحیح یا غلط نکلا ہو، وہ شاید یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد ہی آدمی مسلمان ہوتا ہے۔اس صورت حال کے پیش نظر اس امر کا سراغ لگانے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی کہ بستی میں کون سا آدمی قرآن پڑھ سکتا ہے۔

قرآن کی تعلیم سے محرومی ایک المیہ:

مولانا وستانوی کو دیہاتوں کے حالت زار کا مشاہدہ کرنے کے بعد یقین ہو گیا کہ دینی محرومی نے علاوہ معاشی طور پر بھی مسلمانوں میں بدحالی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ انہوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس تقصیر کا انہیں ادراک بھی نہیں لیکن اس المیہ کے سبب جہاں ایک طرف وہ خود ہیں تو دوسری جانب ان سے زیادہ ہمارے علماء، مبلغین اور واعظین بھی ہیں جو بڑے بڑے شہروں میں پہنچ کر اپنی تقریر و تبلیغ کی محفلیں تو جماتے ہیں لیکن دیہات کے غریب اور جاہل مسلمانوں کی طرف نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتے، اگر کبھی کسی کے دل میں یہ خیال آتا بھی ہے تو تن آسانی اور سہولت پسندی کے پیش نظر سفر اور قیام کی مشکلات کو بہانہ بنا کر اپنے دل کو جھوٹی تسلی دے لیتے ہیں، چناں چہ اس پورے علاقہ کو اس ''مرد غازی'' اور ''محسن خاندیس'' کا ممنون ہونا چاہئے۔جس نے نہ صرف مرض کی تشخیص کی بلکہ شافی علاج کی فکر میں بھی لگ گیا تا کہ قوم دینی اعتبار سے صحتمند ہو پھر اس کے معاشی حالات کا فیصلہ خدا کرے گا۔

مدرسہ قائم کرنے کا عزم

مذکورہ بالاحقائق کی روشنی میں مولانا وستانوی نے بزرگوں سے مشورہ اور دعائیں لینے کے بعد مصمم ارادہ کرلیا کہ یہاں ایک مدرسہ قائم کیا جائے جہاں قرآن کی تعلیم کے علاوہ عربی زبان اور اسلامی علوم وفنون کی تعلیم کا بہترین نظم ہو، ساتھ ہی صحیح اسلامی عقائد کی ترجمانی کا فریضہ بھی ادا ہو کیوں کہ اس کے بغیر دین میں جو خرافات داخل ہو گئے ہیں ان کی بیخ کنی نہیں ہوسکتی، چناں چہ پہلے قرب و جوار کے دیہاتوں میں سات مکاتب کا اجراء کیا گیا۔ مکاتب کے اساتذہ کی تنخواہ کا بار پانولی کے جناب حافظ ابراہیم صاحب نے اپنے ذمہ لے لیا اور سابقین اولین میں خدا کے یہاں اپنا نام لکھوالیا۔ بس یہی سات مکاتب اکل کوا میں ایک عظیم جامعہ کے قیام وتعمیر کا پیش خیمہ اور نقطہ آغاز ثابت ہوئے۔

اس کے دوسرے سال ''مکرانی پھلی'' کی مسجد میں حفظ قرآن اور دینیات کی تعلیم کے لیے مدرسہ قائم کیا گیا جو آج جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کے نام سے مشہور و متعارف ہو چکا ہے، ایک سال بعد جب بچوں کی تعداد میں روز افزاں اضافہ ہونے لگا تو ایک ہال بنوایا گیا اور چند کمروں کی تعمیر عمل میں آئی یہی کمرے درسگاہ اور قیام گاہ کا کام دیتے تھے۔ جس طرح مدرسہ میں بچوں کی تعداد بڑھتی گئی اس طرح مکاتب کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا چناں چہ مدرسہ کو لمبے چوڑے میدان میں منتقل کرنے کا ارادہ کیا گیا۔

جب خدا کسی بندے کے عمل کو مقبولیت عطا کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے آگے بڑھنے میں تاخیر نہیں ہوتی اور رکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی اور راستے نکلتے چلے جاتے ہیں چنانچہ یہ ایک عجوبہ سے کم نہیں کہ سال دو سال میں اس مدرسہ کی شہرت آسمان سے

باتیں کرنے لگی اور عقل اس کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ کس طرح آنافانا اس کی روشنی اورمہک اقصائے ہند میں پھیلی کہ اس میں مہاراشٹر کے علاوہ کشمیر، گجرات، راجستھان، ایم پی، بہار، آندھراپردیش اور یوپی تک کے طلبہ پہنچنے اور فیضیاب ہونے لگے۔

مدرسہ کا خاکہ پہلے بہت چھوٹا تھا:

جس وقت مولانا وستانوی اوران کے رفقاء نے محلّہ مکرانی پھلی میں مدرسہ قائم کیا تھاان کے خوابِ وخیال میں بھی نہیں تھا کہ یہ مدرسہ ایک دن عظیم جامعہ کی شکل اختیار کر لے گا اوراس کی نہریں دور دور تک رواں دواں ہوں گی اور یہ ایک ایسا قمقمہ ثابت ہوگا جس سے نکلنے والی شعاعیں حدِ نگاہ سے کہیں زیادہ آگے تک پہنچ جائیں گی۔ کچھ لوگ شعاعوں سے فائدہ اٹھائیں گے اور جیالے پروانے قناعت پسندی کی سرحدوں کو پار کر کے براہِ راست اکل کواپہنچ کر قمقمے کے رخسار پر بوسہ زن ہوں گے، چناں چہ طلبہ کا ہجوم قیاس سے زیادہ بڑھنے لگا اورجگہ کی کمی کا شدت کے ساتھ احساس ہونے لگا۔ ساتھ ہی انتظام پر بھی قابو پانا ضروری تھا۔ ابتدا میں مولانا وستانوی نے مدرسہ کے انتظام وانصرام اورتعلیم کی بالترتیب ذمہ داری مولانا محمد یعقوب صاحب اور آپ کے بڑے بھائی حافظ اسحاق صاحب کے سپرد کی، حافظ صاحب اپنی تمام تر ذہنی وجسمانی توانائیوں کے ساتھ طلبہ کی تعلیم میں منہمک ہوگئے اور نظامت کے فرائض مولانا یعقوب صاحب خانپوری انجام دینے لگے۔ یہ دونوں حضرات جامعہ کے وہ بنیادی پتھر ہیں جن کی خدمات کوزمانہ فراموش نہیں کر سکتا ہے اورانصاف شعار تذکرہ نگار کبھی نظر انداز نہیں کرسکتا اورآج تک یہ دونوں حضرات جامعہ کواپنی محنتوں اورخدمات کا میدان بنائے ہوئے ہیں۔ اِن دونوں حضرات کوالگ کر کے اگرسوچا جائے تو جامعہ کا تصور ناممکن رہے گا۔

حضرت وستانوی کنتھاریہ سے اکل کوا آ گئے:

دو سال کی قلیل مدت میں حافظ اسحٰق صاحب کی تدریس اور مولانا یعقوب صاحب کی نظامت میں طلبہ کے غیر معمولی ہجوم کے باعث انتظام میں دشواریاں ہونے لگیں۔ اس اثناء میں مولانا وستانوی دارالعلوم کنتھاریہ میں تدریس خدمت پر مامور تھے لیکن جامعہ کو کبھی دل کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رکھتے تھے۔ اور وائرلیس کے نظام کے طور پر نگرانی بھی کرتے تھے۔ لیکن کب تک؟ آخر کار کاموں کی زیادتی سے مذکورہ دونوں اصحاب کو محسوس ہونے لگا کہ اب مولانا کو اکل کوا سے دور نہیں رہنا چاہئے بلکہ یہیں مستقل قیام کر کے تمام کام اپنی براہ راست نگرانی میں اور زیر اہتمام کرنا چاہیے تاکہ تعلیم وغیرہ کا نظم خاطر خواہ ہو سکے۔ بنابریں آپ نے کنتھاریہ کو سلام کیا اور اللہ کا نام لے کر مستقل قیام کے ارادہ سے اکل کوا تشریف لائے اور اپنے فرائض میں مشغول ہو گئے پھر بھی مکان کی تنگی اور مکینوں کی زیادتی سے آپ بھی فکر مند رہنے لگے اور وسیع وعریض جگہ پر جامعہ کی تعمیر کا خیال آپ کے قلب وضمیر کا ہمہ وقتی وظیفہ بن گیا۔ اور آپ شب وروز ذہنی طور پر تعمیر کا خاکہ بنانے اور خیالوں میں ہی نئی عمارتیں تعمیر کرنے لگے درسگاہیں یوں بنائی جائیں گی۔ عبادت خانہ ایسا تعمیر ہوگا، دارالاقامہ کی عمارت اس قسم کی ہوگی، مدرسین کے کوارٹر اِس طرز کے ہوں گے وغیرہ۔ اسے خوش نصیبی کہئے کہ مشیت ایزدی سے ان تمام کاموں کی تکمیل ہونی تھی اور آپ کی محنت ومشقت، عمل وحرکت اور بے انتہا مساعی کے نتیجہ کے طور پر ہونی تھی۔ اس لیے یہ محض شیخ چلی کا خواب نہیں تھا جہاں صرف خیالی پلاؤ پکائے جاتے ہیں۔ اور عمل کے میدان میں ہاتھ پاؤں کو جنبش بھی نہیں دی جاتی۔

وہ کہاں کہاں سے گذر گیا:

مولانا وستانوی نے اپنے منصوبوں کی عملی تشکیل کے لیے سب سے پہلے بزرگان دین اور مشائخ کبار کی خدمتوں میں حاضر ہو کر یا بذریعہ خطوط مشورے کئے، ان کی دعائیں لیں اور خود بھی استخارے کئے اور جب دل کو مکمل انشراح واطمینان ہو گیا تو جامعہ کی داغ بیل ڈالنے کا پختہ عزم کرلیا۔ ان بزرگوں میں سب سے پہلا بابرکت اور اہم ترین نام مصلح امت حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی (رحمۃ اللہ علیہ) کا ہے۔ آپ روزِ اول سے آج تک ادارہ پر اپنی نگاہِ خاص اور توجہات رکھتے ہیں اور اپنی دعاؤں میں کبھی اس کو فراموش نہیں کرتے۔ چناں چہ لوگ ان کی دعاؤں کی مقبولیت کے اثرات و ثمرات آج اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھتے اور پھر ادارہ کی ترقی واستحکام پر نگاہیں ڈال کر حیرت واستعجاب کی تصویر بن جاتے ہیں۔ یہ عنداللہ خصوصی مقبولیت ہی کا ثمرہ ہے ورنہ اتنی تھوڑی مدّت میں عام ادارہ باوجود مسلسل کوشش کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو پاتے۔

علاوہ ازیں جن بزرگوں سے آپ عقیدت ومحبت یا اپنی اصلاح کا تعلق رکھتے ہیں یا جن کی شاگردی میں رہنے اور تربیت پانے کا آپ کو شرف حاصل ہے ان کو بھی آپ نے اس قائم ہونے والے ادارہ کی طرح دُعاؤں کی خاطر خاص طور سے متوجہ کیا۔ انہوں نے بھی دعا کی اور کر رہے ہیں۔ اور جامعہ کو محبت کی نظر سے دیکھتے اور بار ہا تشریف لا کر اس کو عزت بخشتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی مندرجۂ ذیل ہیں۔

مولانا اسماعیل صاحب منوبری، مولانا علی یوسف صاحب کاویؒ، مولانا اجمیریؒ، مولانا عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ، مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی، مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ، مولانا شیخ یونس صاحب جونپوری اور مولانا ذوالفقار احمد صاحب وغیرہ۔

جب ان مقبول ترین بندوں کے ذریعہ خدا سے تعلق استوار ہوگیا تو وابتغوا من فضل اللہ پر عمل کرتے ہوئے آپ نے وسائل کی فراہمی کے لیے ہندو بیرون ہند کے اسفار کئے۔ رب العزت کا کرم ہے کہ جہاں کہیں انہوں نے اپنے عزم کا اظہار کیا لوگوں نے ان کی باتیں بہ گوش ہوش سنیں اور ہر طرح کے تعاون کے لیے آنا فانا تیار ہو گئے جس سے آپ کے حوصلوں کو توانائی ملی۔ اس طرح ان کا پورا وجود خدا کے فضل وکرم کا وظیفہ پڑھتے ہوئے زبان حال سے گویا ہوا ؎

زندگانی کے سفر میں مجھے تنہا نہ سمجھ   میں جو نکلا تو ہزاروں نے مرا ساتھ دیا

انہیں ایسے لوگوں کی مخلصانہ تلاش تھی جس میں وہ سو فیصد کامیاب رہے جو نہ صرف ایک دو دن یا برس دو برس بلکہ تاحیات مدرسہ کا تعاون کرتے ہیں۔ اور ہر قدم پر آپ کا ساتھ اور اپنے صائب مشورے سے نوازتے بھی رہیں۔ اس کام کے لیے انہوں نے نہ جانے کن کن شہروں اور ملکوں کی خاک چھانی کن کن لوگوں کے سامنے تعاون کے لیے دست سوال دراز کیا اور کسے معلوم کہاں کہاں جھولی پھیلائی۔ کبھی کبھی آپ بڑے دلنواز انداز میں کہتے ہیں کہ ''بھائی میں تو سب سے بڑا فقیر ہوں، لوگ تھوڑی بھیک پر قناعت کر لیتے ہیں اور میں وہ سائل ہوں جو ہمیشہ مانگتا ہی رہتا ہوں''۔

انہیں دنیا کے عظیم المرتبت انسانوں کی تلاش نہیں تھی وہ خلوص ومحبت سے بھرے ہوئے دل والوں کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ اور اس سلسلے میں کہاں کہاں گھومے پھرے اس کی تفصیل وہی جانیں، ان کے دل آواز آج بھی اگر کچھ ہے تو یہی ہے ؎

جو کہ میرے ہاتھ کو تھام لیں جو محبتوں سے ہی کام لیں
انہیں مخلصوں کی تلاش میں میں کہاں کہاں سے گزر گیا

اک اہلِ خیر کا ذکرِ جمیل باقی ہے:

ہم نے جامعہ کی بہت سے مخلصین ومحبین اور علماء واکابر کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن یہ تذکرہ تشنہ اور ادھوری رہ جائے گا اگر ایک ثروت مند، مخیرّ، حاتم دل اور مرد فیاض کا ذکر نہ کیا جائے جو مولانا وستانوی پر حد درجہ اعتماد کرتے ہیں اور جامعہ کے تعاون میں سراپا فیض وکرم اور جود وسخا بنے رہتے ہیں نیز اس کے اور اس کی اقامتی شاخوں کے تقریباً تمام پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں۔

اس شخصیت کا نام حاجی ابراہیم دادا ہے جو سورت میں رہتے ہیں۔ اور مختلف تجارتوں سے وابستہ ہیں ان کو فیاضی اور سخاوت کے سلسلے میں ہندوستان گیر شہرت حاصل ہوچکی ہے۔ راقم نے دو ایکبار انہیں دیکھا اور مل چکا ہے لیکن ان سے دوستی کا رشتہ قائم نہیں ہے اگر چہ ان کی ذات گرامی سے پوری واقفیت حاصل ہے۔

میں نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ دفتر اہتمام میں کچھ لوگ جو مسجد کی تعمیر، یا مدرسہ کے تعاون کے لیے یا کوئی اور مالی غرض لے کر آئے تو مولانا وستانوی نے فرمایا کہ ''بھائی فی الوقت میں آپ کی حاجت روائی سے اپنے کو معذور پاتا ہوں۔ بہر حال یہ رقعہ لے کر حاجی ابراہیم دادا کے یہاں سورت چلے جایئے۔ انشاء اللہ کام ہو جائے گا''۔ چناں چہ وہ لوگ وہاں جاتے ہیں اور بامراد واپس ہوتے ہیں۔

خدا ہی کو معلوم ہے کہ یتیموں، بیواؤں اور معذوروں کی کس قدر وہ امداد کرتے ہیں اور غرباء ومساکین کی لڑکیوں کی شادی میں اخلاقی اور مالی طور پر وہ کتنا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ آپ اپنے بنوائے ہوئے اسپتال میں غریبوں کے علاج کا اچھا انتظام کرا دیتے ہیں۔ بہت سارے مدارس ومکاتب کے عمومی تعاون کے علاوہ کچھ مدارس کے طلبہ کے لیے

ہزاروں میٹر نئے کپڑے ہر سال بھیج دیتے ہیں، ان کے گھر سے نکلنے والی رقوم کی نہریں کہاں کہاں تک پہنچتی ہیں اس کو پوری طرح کون جان سکتا ہے؟ بہر حال اس میں شک نہیں کہ وہ ہر سمت بہتی ہیں۔ اور سیرابی کا سامان کرتی چلی جاتی ہیں۔

یہاں ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

جامعہ اکل کوا میں تدریس کے دوران ایک بار خیال ہوا کہ ڈابھیل جا کر وہاں کے مشہور ادارہ جامعہ تعلیم الدین کی زیارت کرنی چاہیے جہاں کسی وقت دیوبند کے جلیل القدر علماء کئی سال تک اپنے علمی سرمایہ سے خوشہ چینیوں کی جھولیاں بھرتے اور تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے۔ چناں چہ ایک دن اسی ارادہ سے نکل پڑا اور چار بجے شام کو سورت پہنچ گیا۔ اور صوفی باغ (سورت کے ایک مدرسہ کا نام) میں ٹھہر گیا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہاں سے ڈابھیل کچھ زیادہ دور نہیں ہے مگر ہمارا مشورہ ہے کہ آپ رات کو یہاں قیام کرلیں اور صبح چلے جائیں۔ اچانک ذہن حاجی ابراہیم دادا کی طرف منتقل ہوگیا کہ وہ اسی شہر میں رہتے ہیں ان سے مل لینا چاہیے۔ چناں چہ مدرسہ کے ایک لڑکے کو لے کر ان کے یہاں آفس پہنچا جہاں ایک لحیم شحیم گورے چٹّے آدمی بہترین لباس پہنے کرسی پر بیٹھے تھے۔ دِل نے کہا کہ یہی ابراہیم حاجی صاحب ہوں گے۔ کیسی شان اور آن بان والے بارعب آدمی ہیں اور ہونا بھی چاہیے۔ ایک دوسرے صاحب دوسری کرسی پر اپنے سامنے ایک بڑا سا رجسٹر کھولے بیٹھے تھے۔ غالباً وہ دفتر کے منشی تھے۔ کنارے لمبی لمبی تپائیاں تھیں جن پر ضرورت مند حضرات بیٹھے ہوئے تھے، ہر شخص سے وہی کرسی والے پُر وقار آدمی اس کی ضرورت کو دریافت کرتے اور اس کی حاجت روائی کر کے یا مناسب جواب دے کر رخصت کر دیتے اگر رقم دیتے تو منشی رجسٹر میں اس کا اندراج کر لیتا۔ میں ایک کنارے

بیٹھا ہوا تھا، آخر میں مجھ سے پوچھا کہ مولانا آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے کہا اکل کوا سے، کہا لائیے رقعہ، میں نے پوچھا کیسا رقعہ؟ کہا آپ مولانا وستانوی کے پاس سے کوئی رقعہ لے کر آئے ہیں نا۔ میں نے کہا بالکل نہیں، پوچھا پھر کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا سنئے۔

''میں جامعہ اکل کوا میں استاذ ہوں اور دفتر اہتمام میں اکثر موجود رہتا ہوں، بہت سے لوگوں کو مولانا وستانوی صاحب آپ کا نام لے کر آپ کے پاس بھیج دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ وہاں آپ کا کام انشاء اللہ ہو جائے گا''۔ میں نے مزید کہا ''میں ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ آخر یہ کون صاحب ہیں۔ آج ڈابھیل کے مدرسہ میں جانے کے ارادے سے نکلا ہوں تو خیال ہوا کہ حاجی ابراہیم دادا کو دیکھ لوں اور ملاقات کرلوں اس کے سوا کوئی غرض نہیں۔

میری باتیں سننے کے بعد میری بغل میں ایک آدمی جن کی عمر ساٹھ ۶۵ رسال کی ہوگی اور دبلے پتلے سیدھے سادھے سفید کرتا پامہ اور دوپلّی ٹوپی ہوئے بیٹھے تھے۔ ہنس کر مجھ سے کہنے لگے کہ ''وہ میرا چھوٹا بھائی ہے آپ کی طرح بہت سے نئے لوگ اسی کو حاجی ابراہیم سمجھ بیٹھتے ہیں۔'' پھر بہت خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ ''معاف کیجئے گا، بہت کم لوگ ہی ایسے ہوں گے جو بے ضرورت محض ملنے کے لیے آتے ہیں۔ یہ آپ کی محبت ہے جس سے ہم بے انتہا مسرت ہے''۔ اتنے میں عصر کی اذان ہوگئی۔ چند قدم کے فاصلے پر مسجد تھی، ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ میں ملائے مسجد میں گئے اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد پھر دفتر لے گئے۔ اور پُرتکلف چائے اور ناشتے سے تواضع کی۔ خدا انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس دن بہت اچھی طرح میری سمجھ میں آ گیا کہ آدمی لباس، پوشاک اور شوقِ خودنمائی سے بڑا نہیں ہوتا، بل کہ اپنی خوبیوں، اوصاف وکمالات اور اعمال وکردار سے بڑا ہوتا ہے۔

مزید دو اشخاص کا ذکرِ خیر:

دفترِ اہتمام میں ہی دو مزید آدمیوں کا ذکرِ خیر سننے کو ملا کرتا تھا یعنی

(۱) **قلندر سیٹھ**: یہ اورنگ آباد کے رہنے والے ہیں۔ اہلِ ثروت ہوتے ہوئے بھی دل میں بڑائی کا کوئی جذبہ نہیں رکھتے اور مقبول شخصیت کے مالک ہیں۔ آنکھوں سے بلا کی ذہانت ٹپکتی ہے۔ بڑے متحرک وفعال خوش مزاج اور زندہ دل آدمی ہیں۔ زبردست آرکیٹکٹ Archited اور ماہر تعمیرات ہیں۔ پورے مراٹھواڑہ اور آس پاس کے علاقوں میں اکل کوا کے توسط سے جتنی مدارس ومساجد کی تعمیر ہوتی ہے وہ انہیں کی زیرِ نگرانی ہوتی ہے، اس کے علاوہ بھی ان کے پاس کتنی عمارتوں کے ٹھیکے آتے ہیں۔ اس کا علم انہیں کو ہے۔ ان کی بنوائی ہوئی عمارتوں میں سادگی کے ساتھ نفاست قابلِ دیدی ہوتی ہے۔ مضبوطی، حسن وجمال اور سادگی وپُر کاری ان کی تعمیرات کا طرّۂ امتیاز ہیں۔ آپ مولانا وستانوی کے بے انتہا معتمد اور معتبر آدمی ہیں۔ دینی، تعلیمی اور رفاہی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ خدا آپ کو تادیر سلامت رکھے۔

(۱) **موسیٰ جی**: آپ نواپور ضلع دھولیہ کے رہنے والے اور تجارت پیشہ انسان ہیں، دینداری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ تبلیغی کاموں سے بڑا شغف رکھتے ہیں۔ خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں۔ راقم الحروف سے کئی بار نواپور میں ملاقات ہو چکی ہے اور ہر مرتبہ ان کی مہمان نوازی کا نقش پہلے سے زیادہ دل پر گہرا ہوا ہے۔

مولانا وستانوی اور وہ اکثر فون پر بات چیت کرتے ہیں اور خود مولانا کہیں جاتے ہیں تو اپنے پروگراموں کی اطلاع انہیں دے دیتے ہیں۔ بیرونِ ہند سے بھی اپنی خیریت کی اطلاع اور پروگرام کے بارے میں ان کو آگاہ رکھتے ہیں۔ مولانا کی سرگرمیوں

اور سفر وغیرہ کے متعلق لوگ ان سے بھی رابطہ قائم رکھتے ہیں۔ ان کی صحت وعافیت کے لیے دعائے خیر۔

ان کے علاوہ مولانا کے حلقۂ احباب میں ہندو بیرونِ ہند میں کتنے لوگ ہیں اس کا صحیح علم انہیں کو ہے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ان کے تعلقات کی دنیا بہت وسیع ہے، بل کہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ وہ ایک بین الاقوامی شخصیت بن چکے ہیں۔

جامعہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کا منظر

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ ''مکرانی پھلی'' کی درسگاہوں اور قیام گاہوں میں جگہ کی قلت اور طلبہ کی کثرت نے مولانا وستانوی کو مجبور کیا کہ اب اصل موقوفہ زمین پر جامعہ کی تعمیر کی جائے اور جلد از جلد اس کا سنگِ بنیاد رکھ کر منزل تک پہنچنے کی سعی کی جائے، اس کام کے لیے پہلے انہوں نے اولین درسگاہ کی عمارت اور عبادت خانہ (مسجد کی تعمیر کا ذکر آگے آئے گا) بنانے کا منصوبہ بنایا، چناں چہ مصلحِ وقت حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے مبارک ہاتھوں سے جمعہ کے دن ان دونوں عمارتوں کا سنگِ بنیاد رکھا، اور دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔ یہی وہ عمارتیں ہیں جو عظیم تر جامعہ کی تعمیر کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئیں۔ جہاں سے اس کی تعمیری وتعلیمی رفتار میں کمی تو دور کی بات ہے سُستی بھی نہیں آئی۔ اور کسی میدان میں یہ جمود وتعطّل کا شکار نہیں ہوا۔

اس مبارک موقع پر گجرات کے علمائے کرام اور مشائخ کے اکھٹے ہونے کا کچھ عجیب ہی ایمان پرور منظر تھا۔ یہ لوگ حضرت باندوی کی زیارت کا شوقِ فراواں دل میں لے کر اور سنگِ بنیاد میں شرکت کا فریضہ ادا کر کے عاشقانِ جامعہ کی فہرست میں اپنا نام لکھوانا چاہتے تھے۔ گویا سب کے دلوں میں ایک عظیم جامعہ کی تعمیر کا جو خواب تھا اس کے

شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ دیگر علماء کے ساتھ حضرت باندوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے جب علوم نبویہ کی تعلیم کے مقدس مقصد کے لیے اس زمین پر قدم رکھا تو اس کی قسمت کا ستارا جگمگا اٹھا کیوں کہ یہیں سے علوم وفنون کے گل و لالہ اُگنے کا غیب سے فیصلہ ہو گیا تھا۔ ہر خطّۂ زمین کا ایسا مقدر کہاں؟ بہت سے علمائے کرام نے لوگوں سے علم اور تعلیمِ قرآن کے فضائل کے عنوان پر خطاب کیا۔

اس موقع پر پاکستان کے مشہور عالمِ دین مولانا عبدالمجید ندیم صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی خاص طور پر تشریف آوری ہوئی تھی۔ آپ عالم، فاضل اور سحر البیان خطیب اور مقرر ہیں۔ آپ کی تقریریں سماں باندھ دیتی ہیں، سامعین ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق آپ کی باتوں، مثالوں اور اندازِ بیاں سے کوئی سنگ دل بھی متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، کیوں کہ آپ سچی باتوں اور ٹھوس حقائق کے ذریعہ دل کی دنیا کو بدل دینے کا گُر جانتے ہیں۔ چناں چہ اس مبارک موقع پر آپ نے جو خطاب فرمایا اس کا حاصل کچھ اس طرح ہے:

بعد الحمد والصلوٰۃ!

''میں جلیل القدر علمائے کرام اور بزرگانِ دین کے سامنے کسی طرح لب کشائی کا مستحق نہیں ہوں، یہی کیا کم ہے کہ اِس تاریخ ساز علمی و دینی اجتماع میں مجھے خدا کے فضل و کرم سے شمولیت کا موقع ملا، لوگ میرا شکریہ ادا کرتے ہیں حالاں کہ مجھے ان کا مشکور ہونا چاہیے کہ انہوں نے مجھے اس محفل میں شرکت کا موقع دیا اور اصرار و شوق سے مدعو کیا۔

بادشاہ پر یہ احسان رکھنا کہ ہم اس کی خدمت کرتے ہیں حماقت کی بات ہے۔ بل کہ ہمیں بادشاہ کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس نے دربار میں بلا کر ہم کو خدمت کی بجا آوری

کے لائق سمجھا''۔

اس کے بعد آپ نے قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوری تقریر اس کی روشنی میں مکمل کی...... رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِی بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ إِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ.

آپ نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیوی بچے کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ دیا تھا۔ جس کو خدا نے گلستاں میں تبدیل کر کے جملہ اقسام کے پھلوں اور پھولوں سے بھر دیا۔ اس وقت اگر مکہ کی سرزمین کو آپ نے وادیٔ غیر ذی زرع کہا تو میں آج اِس خطّۂ ارضی کو جہاں ہم لوگ جمع ہیں وہی نام دیتا ہوں، کل تک یہاں ویرانوں کا ڈیرا تھا۔ یہاں خاموشیاں حکمرانی کر رہی تھیں، سکوت و جمود کے باعث ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ لیکن آج کا یہ اجتماع بہاروں کی آمد کا مژدۂ جانفزا سنا رہا ہے۔ یقیناً یہاں بہاریں آئیں گی۔ پھول کھلیں گے، اور اطراف و اکناف کی فضائیں خوشبوؤں سے معطر ہوں گی۔ غیر آباد زمینوں میں ہی محنتِ دست و بازو سے پھول کھلانا کمال کی بات ہے۔ چمن میں ایک طفلِ ناداں بھی پھول کھلا سکتا ہے۔ آج یہاں جو علم کا پودا لگایا جا رہا ہے اس کی بار آوری کے لیے نیک اور صالح بندگانِ خدا پوری توجہ اور الحاح کے ساتھ دعا میں مصروف ہیں، جن کے اٹھے ہوئے ہاتھ ابرِ رحمت کو بلانے اور اتارنے کے لیے کافی ہیں۔ اس لیے ہمیں ذرا بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر ہماری نیتوں میں اخلاص ہے تو یہی ایک پودا وسیع و عریض گلشن بنے گا اور پھر گلشن سے گلشن اگتے اور چراغ سے چراغ ان شاء اللہ جلتے جائیں گے۔

تاریک راہوں میں روشنی پھیلے گی اور خاموش فضائیں قال اللہ اور قال الرسول کی البیلی صداؤں سے معمور ہوں گی۔

مولانا موصوف نے اپنی تقریر میں ایک عجیب نکتہ پیدا کرتے ہوئے جس کی طرف عام طور سے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی۔ فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وادیٔ غیر ذی زرع میں ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی تھی یعنی آپ ایسے مقام پر اپنی بیوی اور لختِ جگر کو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے چھوڑ کر چلے گئے، جہاں زندگی کی سب سے اہم بنیادی ضرورت مفقود تھی یعنی وہاں پانی نہیں تھا۔ اور کہیں سے پانی نکلنے کی امید بھی نہیں تھی لیکن انہیں کے طفیل وہاں صرف ایک جگہ ہی پانی نکل سکا جہاں لختِ جگر حضرت اسماعیل نے پیاس سے تڑپ تڑپ کر ایڑیاں رگڑی تھیں اور جو ''بیرِ زمزم'' کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ جس کا پانی ہزاروں گیلن نکلنے کے باوجود کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اور ان شاء اللہ تا قیامت ختم بھی نہیں ہوگا۔

اب اس واقعہ میں ''دار العلوم'' کا پہلو اس طرح نکلتا ہے کہ حضرت خلیل نے اس طرح دعا کی کہ خدایا میں چاہتا ہوں کہ میری نسلوں سے تیرا نام بھی بلند ہو اور اقامتِ صلوٰۃ کے ایمان افروز سلسلہ کی بنیاد پڑ جائے۔ اِس زاویۂ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو آپ نے بالیقین ایک مدرسہ اور ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی تھی۔ اور مزید یہ دعا بھی کی کہ لوگوں کے دلوں میں میرے پیارے بیٹے کی محبت بھر دے، کہ لوگ جوق در جوق اس کے یہاں حاضر ہوں''۔

چناں چہ اسی دعا کی مقبولیت کا ثمرہ ہے کہ آج اس سرزمین پر ہر سال اقصائے عالم سے کشاں کشاں اللہ کے نام لیوا اتنی تعداد میں پہنچتے ہیں جس کی مثال اقوامِ عالم کی کسی تقریب یا کسی بھی عبادت کے موقع پر نہیں ملتی۔ یہی ایک ٹھوس حقیقت اسلام کی صداقت پر

ایسی روشن دلیل ہے جسے عقلِ سلیم رکھنے والے ہر فردِ بشر کو تسلیم کر لینی چاہیے۔ آگے آپ نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''حضرت خلیل نے اپنی دعا میں یہ بھی کہا کہ خدایا تو میرے اہل وعیال کو اثمار و فواکہ کا رزق عطا کر، اس سے یہ نکتہ بھی نکلتا ہے کہ جب خدائے عزّ وجل کے خزانے میں کوئی کمی نہیں تو ''کھیرے'' کا سوال کرنے کے بجائے ''ہیرے'' کی درخوست کیوں نہ کی جائے۔ چناں چہ حدیث میں آتا ہے کہ جب خدا سے جنت کی دعا مانگو تو جنت الفردوس مانگو، یقیناً حضرت خلیل کی اس دعا پر کائنات کو حیرانی ہوئی ہوگی کہ آپ بے آب وگیاہ صحرا میں خدا سے کیا مانگ رہے ہیں۔ جہاں پانی ہی بمشکل دستیاب ہوتا ہو وہاں پھل پھلاری کہاں سے پیدا ہوں گے۔ لیکن اس پر حیرانی اُن لوگوں کو ہوگی جو خدا کی قدرتِ کاملہ سے نظریں ہٹا کر سوچنے کے عادی ہیں۔ وہ قادرِ مطلق ہے اس کے ایک ادنیٰ اشارے سے ہر عدم وجود میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ اُس وقت آبِ زمزم وجود میں آیا تھا۔ اور آج دنیا بھر کے تروتازہ اور بہترین میوہ جات اسی سرزمین میں ہمہ وقت ہر موسم میں افراط کے ساتھ دستیاب ہیں۔ حضرت خلیل کی دعا کے وقت صحرائے عرب بنجر اور ویرانہ تھا۔ آج ہرا بھرا ہے۔ بہار بردوش اور گل بہ آگوش ہے۔ اب اس کو صحرا کا نام کیوں دیجئے؟ جو سرزمین ویرانی میں ضرب المثل تھی۔ آج دنیا میں وہیں سے بہاروں کی تقسیم ہو رہی ہے۔ آج ہم کو اپنے ''ماضی'' پر نگاہ ڈال کر ''حال'' کی تصویر میں رنگ بھرنا چاہیے''۔

دیوبند امام، اکل کو امقتدی

مولانا کی تقریر کے ایک حصہ کا خلاصہ اس طرح ہے:

''تاریخ کی دنیا میں سوسوا سو برس کچھ بڑی مدت نہیں ہے، فی الوقت جب کہ ہم ایک مدرسہ کی بنیاد رکھنے کے لیے یہاں موجود ہیں، تو بار بار ہماری چشمِ تصور کے سامنے ''دیوبند'' حاضر ہوکر ہماری ہمت اور حوصلے کو مہمیز کر رہا ہے۔ وہ ہمیں یہ سمجھا رہا ہے کہ شمع روشن کرنے کے وقت موافق یا مخالف ہَوا کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ اگر خدا کی طرف سے شمع روشن ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے تو وہ روشن ہوکر رہے گی۔ خواہ حالات و ماحول اور ہوائیں تمام کی تمام بالاتفاق مخالف ہو جائیں۔ دیوبند میں چھتہ کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے ۳۰/مئی ۱۸۶۶ء بروز بدھ ایک استاذ اور ایک طالب علم کے ذریعہ علم کا چراغ جلا کر علم کی روشنی میں پھیلانے کی اللہ والوں نے ''رسمِ خوش'' بنیاد رکھ کر یہ سبق سکھلا دیا کہ اس طرح کے کاموں میں خلوص، محنت اور لگن شرط ہے۔ حالات، ماحول اور وسائل و اسباب پر نظر نہیں ہونی چاہیے۔ ایسے مبارک کام کو آگے بڑھانا، پروان چڑھانا، ترقی و استحکام عطا کرنا، وسعت و شہرت دینا اور مقبولیت بخشنا اسی ذاتِ پاک کے ہاتھ میں ہے جو کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا مالک مختار ہے۔ چناں چہ پوری دنیا نے دیکھ لیا کہ ایک گمنام بستی جس کا نام ''دیوبند'' ہے اور جہاں کے مدرسہ کا نام ''دارالعلوم'' ہے۔ دونوں وہم وقیاس سے زیادہ مشہور ہوئے۔ مدرسہ کو ازہرِ ہند کے نام سے پکارا جانے لگا اور اس کی شہرت آسمانوں کو پار کر گئی''۔

قرآن سیکھنے سکھانے والا سب سے اچھا

جس تقریر کو لوگ مکمل خاموشی کی تصویر بن کر سُن رہے تھے۔ اس کا ایک پیراگراف اس طرح ہے:

''سرورِکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں شب بیدار بھی تھے، عابد و مرتاض بھی تھے، تہجد گزار بھی تھے، مجاہد و غازی بھی تھے، مبلغ و داعی بھی تھے، اسلام کے علم بردار اور راہِ خدا میں اپنا سب کچھ نثار کرنے والے بھی تھے۔ ان سبھی کا شمار نیک اور صالح بندگانِ خدا میں ہے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی سب کی زباں زد ہے۔ "خیرُ کمُ منْ تعلّمَ القرآنَ وَ عَلّمَه" یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود بھی قرآن سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تعلّم کے جتنے طریقے اختیار کئے جائیں گے وہ سب عنداللہ معتبر اور مقبول ہیں۔ اور جو شخص ان ذرائع کو اختیار کرلے گا اس کا شمار ''خَیْرُ کُمْ'' میں ضرور ہوگا۔

تعمیر مساجد

اسلام میں مساجد کی اہمیت مسلّم ہے۔ سب سے اہم اور مقدم عبادت نماز کی ادائیگی کے لیے ان کی تعمیر کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ ان کی نسبت براہِ راست خدا سے ہے۔ چناں چہ قرآن میں ہے ''اِنما یعمر مساجد اللہ'' وارد ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی ہر دور میں دین کے فروغ اور اشاعت کی تمام اسکیمیں مسجدوں میں ہی باہمی شورٰی سے مرتب کی جاتی تھیں۔ مساجد کو دیکھ کر خوش ہونا ایمان کی علامت ہے اور جس شخص کے دل میں ان کی حرمت و اہمیت کے لیے کوئی گوشہ نہ ہو اور ان کے دیدار سے مسرت کا احساس نہ ہوتا ہو اس

کے ایمان کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔

مولانا وستانوی نے بچوں کو قرآن اور دینیات کی تعلیم اور تعمیر مساجد کی طرف ہمارے خیال میں اپنی توجہ دیگر نیک اور صالح بندگانِ خدا کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی مبذول کی۔ ان کی نگاہ میں مساجد کی آبادی کے ساتھ تعلیم کا بڑا مضبوط رشتہ ہے۔ یعنی یہیں نماز با جماعت کا نظم بھی ہوتا ہے۔ اور یہیں بچوں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جا سکتا ہے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں الگ سے مدرسہ بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ بل کہ یہیں مسجد کے ایک گوشے میں قرآن پڑھنے پڑھانے کی بہ آسانی گنجائش نکل آتی ہے۔ چناں چہ آپ نے شہروں سے کہیں زیادہ دیہاتوں پر توجہ دی۔ راقم نے خود ان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ''بھئی شہر کے لوگ مسجد کی تعمیر وتوسیع کر سکتے ہیں، لیکن دیہاتوں کے غریب اور مزدور عوام اس بارِ گراں کے متحمل نہیں ہو سکتے، اس لیے ہم نے مساجد کی تعمیر وتوسیع اور مرمت کی خاطر اپنی محنت وکوشش کا میدان زیادہ تر قریوں اور دیہاتوں کو بنایا ہے۔

اِس ضمن میں اب تک جامعہ کی طرف تقریباً ۵۵۰۰ سے زائد مساجد کی تعمیر کرانے یا تعمیر کے اسباب مہیّا کرنے پر جنت میں ایک گھر بنا دینے کا خدا نے وعدہ کیا ہے، پھر اس شخص کی قسمت پر ہر مسلمان کا رشک کرنا بجا ہے۔ جس نے صدہا مسجدوں کی تعمیر میں دامے، درمے قدمے سخنے حصہّ لیا ہے۔

آپ جہاں کہیں مسجد کی تعمیر کراتے ہیں تو اس کے بعد فوراً لوگوں کو پابندی سے نماز پڑھنے اور اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دلانے کی تاکید کرتے ہیں بل کہ کبھی کبھی عوام کو جمع کر کے اس کا پیشگی وعدہ بھی کرا لیتے ہیں۔ اس طرح جامعہ کی طرف سے سینکڑوں تعمیر کردہ مساجد میں آپ نے امام مقرر کیے اور بچوں کی تعلیم انتظام کیا اور مسلسل کر رہے

ہیں۔جب کسی جگہ مسجد کی تعمیر مکمل ہو جاتی ہے تو آپ فرطِ خوشی سے کہتے ہیں کہ اب یہاں سے مسلمانوں کے ارتداد کا خطرہ اور اندیشہ ٹل گیا ہے۔

دینی کاموں کے معاملے میں آپ قناعت کر لینے کے قائل نہیں ہیں بل کہ ہمیشہ خود حرکت وعمل بن کر دوسروں کا جمود و تعطل توڑتے اور پیہم جد وجہد کا ہمت آفریں سبق سکھلاتے ہیں اور تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا'' والے مصرع کو ہم نادانوں کی طرح کبھی اپنے اوپر صادق نہیں آنے دیتے۔

مہمانوں کی تشریف آوری

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا اس لحاظ سے شاید ہندوستان کا منفرد اور ممتاز ادارہ ہے۔جہاں روزانہ بکثرت مہمان آتے ہیں جن کا اوسط بیس پچیس افراد سے کم نہیں ہوتا۔ ہندوستان بھر سے یہاں مہمان تشریف لاتے ہیں۔بالخصوص مہارشٹر اور گجرات سے مہانوں کی آمد کا تانتا لگا رہتا ہے۔اہلِ علم کے علاوہ قرب وجوار کے بہت سے لوگ اس کا دیدار کرنے کے لئے آتے ہیں۔اور زیادہ تر اپنی ضروریات لے کر جامعہ میں حاضری دیتے ہیں۔یہ لوگ عام طور پر وفد کی شکل میں آتے ہیں۔

دیکھئے،ابھی کچھ لوگ اس لئے آئے کہ ان کے گاؤں میں امام اور مکتب کا انتظام نہیں ہے اس لئے نماز باجماعت اور بچوں کی تعلیم میں بڑی دشواری پیش آرہی ہے۔چناں چہ رئیس الجامعہ نے پورا تعاون کر کے ایسے شخص کا وہاں تقرر کر دیا جو

دونوں کام اچھی طرح انجام دے سکے۔اوراس کی جزوی یا کلی تنخواہ کا بار جامعہ کے ذمہ کردیا۔کچھ لوگ اس لئے حاضرِ خدمت ہوئے کہ ان کی بستی کے قبرستان میں غلاظت کا انبار لگا ہوا ہے جہاں آدمی سے زیادہ جانوروں کو جانے کی مکمل آزادی ہے اس لیے اس میں ہر چہار طرف دیوار کھڑی کرنے یا باڑھ لگانے کی شدید ضرورت ہے تا کہ اس کی حفاظت وحرمت کا انتظام ہوجائے۔چناں چہ مناسب تحقیق کے بعد ان کی حاجت برآری کی اور رخصت کر دیا۔پھر دیکھئے!ایک اور وفد حاضر ہوا،اس میں شامل افراد کسی مدرسہ کے اربابِ حل وعقد ہیں۔ان کے مدرسے میں درس گاہوں اور قیام گاہوں کی بڑی تنگی ہے،چناں چہ آپ نے دو چار کمروں کی تعمیر کا ذمہ اپنے سر لیتے ہیں۔کبھی کبھی مدرسوں کی کارکردگی اور حسنِ انتظام سے بہت خوش اور مطمئن رہتے ہیں لیکن وسائل کی کمی اور مالی تنگی پر نظر کرتے ہوئے اپنی طرف سے خود ہی سالانہ کچھ رقم مخصوص کر دیتے ہیں،کچھ مدارس ایسے بھی ہیں جو پہلے سے قائم ہیں لیکن با قاعدہ نظم وضبط نہ ہونے اور مالی وسائل کی قلت کی بناء پر تعلیم پر کماحقّہٗ توجہ دینا بڑا مشکل تھا چناں چہ ایسے مدارس کے ذمہ دار کبھی کبھی یہ درخواست لے کر حاضر ہوتے ہیں کہ آپ ہمارے مدرسہ کو اپنی شاخ کا درجہ دے کر اپنے شایانِ شان اس کے حسنِ انتظام کی ذمہ داری قبول کرلیں تا کہ تعلیم بھی عمدہ ہو اور اور مالی خسارے سے پیش آنے والی پریشان کن دشواریاں بھی دور ہوجائیں۔ایسے کئی مدرسوں کو آپ نے جامعہ کی شاخ بنالیا ہے۔جہاں باقاعدہ نظم ونسق کے ساتھ تعلیم میں بھی پختگی آئی اور سارے مسائل بھی حل ہوئے۔

مکاتب ومدارس اور نصابِ تعلیم

پہلے بھی یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ دیہاتوں کی دینی اور تعلیمی حالتِ زار پر مولانا وستانوی کو بڑی تشویش رہا کرتی تھی، چناں چہ پہلے کچھ مکاتب کے قیام کے بعد ہی جامعہ اکل کوا کی شدید ضرورت محسوس کی گئی۔ پس ایک طرف جامعہ کی تعمیر کا کام چلتا رہا اور دوسری جانب مکاتب کے اجراء کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تین چار سو مربّع کلومیٹر کے فاصلے تک اور کہیں کہیں اس سے بھی دور تک مکاتب کا ایک چمن زار لگا دیا گیا۔ اور آج بلاشبہ ۲٦۵۰ اپنے اپنے تعلیمی کاموں میں منہمک ہیں۔ اور یہ زیادہ تر مساجد ہی میں چلتے ہیں۔ یعنی مسجد کے ائمہ ہی یہ فریضہ انجام دیتے ہیں، اور امامت بھی کرتے ہیں۔

عموماً دس بیس مکاتب کی ماہوار نگرانی اور جائزہ کے لیے علاقہ میں ایک نگران مقرر کر دیا جاتا ہے۔ جو ماہوار جائزہ کی رپورٹ جامعہ میں بھیج دیتا ہے۔ پھر اس کی روشنی میں معلّمین کو ضروری ہدایات جاری کی جاتی ہیں۔ وقتاً فوقتاً جامعہ کے اساتذہ کا وفد اقامتی درسگاہوں کے جائزے اور امتحان کی غرض سے طوفانی دورہ کر کے تعلیم و تربیت اور متعلقہ دیگر امور کے بارے میں رپورٹ مرتب کرتا ہے جسے رئیس الجامعہ خود دیکھتے اور ضروری احکام صادر فرماتے ہیں۔

مدارس کا قیام:

تقریباً ۱۸۲ ایسے مدارس جامعہ کی سرپرستی اور کفالت میں چل رہے ہیں جو جامعہ کی شاخ ہیں۔ اور زیادہ تر جامعہ ہی کے قائم کردہ ہیں۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

نصابِ تعلیم:

یہاں کے اربابِ حل وعقد نے روزِ اوّل سے ہی یہ محکم فیصلہ کرلیا ہے کہ جامعہ کا نصابِ تعلیم دارالعلوم دیوبند کے مطابق ہی ہوگا۔ چناں چہ اسی کا نصابِ تعلیم یہاں پڑھایا جارہا ہے۔ ممکن ہے کچھ ادنیٰ تغیر وتبدل کیا گیا ہو۔لیکن وہ اس قدر معمولی ہے کہ قابلِ اعتناء نہیں۔آج جب کہ بدلتے ہوئے حالات میں بہت سے مدارس نے اپنے نصاب میں کمی بیشی اورتبدیلی کی ہے یہاں بھی اس سے بے خبری نہیں ہے۔اس لیے عربی کے ابتدائی درجات میں کچھ مضامین بالخصوص انگریزی کی تعلیم لازمی ہے۔لیکن اوپر کے درجات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی گئی۔ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ درسِ نظامی سے الگ راہ پر چلنے میں کوئی نمایاں کامیابی نہیں ملتی اور نہ طلبہ میں مطلوبہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے،بل کہ کبھی کبھی ''نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم'' کا ماجرا بھی دیکھنے میں آتا ہے۔

بات جب نصابِ تعلیم کی چل رہی ہے تو بہتر ہے کہ ایک اورنکتہ کی طرف اشارہ کردیا جائے۔بہت سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کا یہ کہنا ہے کہ عربی مدارس میں انگریزی اور سائنس وغیرہ کی تعلیم بہت ضروری ہے۔ورنہ مولوی طبقہ دنیا سے الگ تھلگ پڑ کر کسی کام کا نہیں رہے گا۔(اس میں) کچھ شک نہیں کہ یہ بات قابلِ توجہ ہے اوراس پر ہمارے علماء غور کررہے ہیں۔اوراس سلسلہ میں مختلف سیمینار وغیرہ ہو چکے ہیں۔اور قدیم کے ساتھ جدید کے ایسے امتزاج کو قابل قبول تسلیم کرتے ہیں۔جس سے قدیم پر ضرب کاری نہ پڑے ورنہ مقصد اصلی فوت ہوجائے گا۔ان سے ہماری بھی ایک گزارش ہے کہ دینی مدارس میں مولوی اور حافظ بننے کے لیے ایک دوفیصد بچے ہی آتے ہیں،ان کی فکر سے کہیں زیادہ اگر آپ ان ۹۸ رفیصد اسکولوں اور کالج کے بچوں کو سیرت نبوی اور بنیادی دینی باتوں کی

تعلیم کی طرف متوجہ کرتے اور اس کا انتظام کرتے تو یہ بہت بڑی خدمت ہوتی۔ اور آپ صدہا اسکولوں میں اس طرح کر سکتے ہیں جو مسلمان انتظامیہ کی زیر نگرانی چلتے ہیں۔ اور جہاں کوئی غیر مسلم بچہ زیر تعلیم نہیں ہوتا اور اگر ان کی اسلامی تربیت کا بھی انتظام کرتے تو سونے پر سہاگہ یا نور علیٰ نور ہوتا۔

جامعہ نے علم کی روشنی کہاں تک پھیلائی:

خاندیس اور اس کے باہر بھی مدارس اور خاصی تعداد میں مکاتب کے قیام کے بعد سے دینی اور تعلیمی حالات میں تیزی سے خوشگوار تبدیلی آئی ہے جس کا ہر کوئی مشاہدہ کرسکتا ہے۔ آج ان دیہاتوں میں جہاں اسلامی رنگ اور دینی ماحول کے تعلق سے کوئی قابلِ دید چیز بھی نہیں تھی، وہاں کے مناظر عجیب روح پرور ہوگئے ہیں۔ وہاں کے مسلمان اب شکل وصورت، رفتار وگفتار، انداز و اطوار اور کردار واعمال کے اعتبار سے مسلمان نظر آتے ہیں، اور بچوں اور بچیوں میں قرآن پڑھنے کا شوق پیدا ہو چکا ہے، آج ہزارہا ہزار بچے صحیح لب ولہجہ کے ساتھ قرآن پڑھ سکتے ہیں، ساتھ ہی بنیادی اسلامی تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور ادا کر رہے ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دو تین ہزار مربع کلومیٹر میں جامعہ نے ایسی آن بان سے تعلیمِ قرآن کی روشنی پھیلائی ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اور یہ روشنی زیادہ تر دیہاتوں میں، غریب اور مزدور طبقات میں اور جھونپڑوں میں پہنچی ہے۔ چناں چہ آپ ایک سرسری جائزہ بھی لیں گے تو صاف نظر آئے گا کہ جامعہ اکل کوا، اس کی اقامتی شاخوں اور قائم کردہ مکاتب کے ذریعہ تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار بچے قرآن کی تعلیم، دینی تعلیم اور عالمیت کی تعلیم سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ آج کے لادینی اور غیر اسلامی دور میں یہ خدمت ایسی معمولی نہیں کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔

جامعہ طبیہ کا قیام:

مولانا وستانوی کا تین چار سال سے یہاں جامعہ طبیہ کے قیام کا عزمِ صمیم تھا تا کہ مسلمانوں میں بی یو ایم ایس کی ڈگریاں رکھنے والے ڈاکٹر تیار ہوسکیں چناں چہ مرکزی حکومت سے اس کی اجازت طلب کی گئی لیکن جیسا کہ معلوم ہے کہ اس طرح کے سرکاری کاموں میں باوجود بار بار یاددہانی کے تاخیر ہوتی ہی ہے اور جب تک تاخیر نہ ہو حکومت کی بڑائی ظاہر نہیں ہوتی چناں چہ یہی صورتِ حال یہاں بھی پیش آئی۔ بہر حال جب معائنہ اور تحقیق کی غرض سے سرکاری وفد آیا تو اس کو بڑی حیرت ہوئی، وفد نے حیرت وخوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے یہاں اسپتال تو پہلے سے ہی موجود ہے جو جامعہ طبیہ کی لیے لازمی ہے۔ کیوں کہ طلبہ کو عملی طور پر مشاہدہ کرانے، مرض کی تشخیص کرانے اور دوا تجویز کرنے کے لیے اسپتال میں داخل شدہ مریضوں کا ہونا بہت ضروری ہے تا کہ طلبہ پہلے خود مشاہدہ کریں اور تشخیص و تجویز کریں پھر سوال وجواب کے بعد آخری وضاحت ورہنمائی استاذ کریں۔ ساتھ ہی وفد نے یہ بھی کہا کہ آپ کے یہاں کلاس روم اور فرنیچر کی بھی کمی نہیں ہے، پھر آپ کو طبیہ کھولنے کی اجازت کیوں نہیں مل سکتی؟۔ چناں چہ اجازت مل گئی۔ اور اب ۹۶/ ۹۷ء کے تعلیمی سال سے قابل اساتذہ کا تقرر کرکے پڑھائی کا آغاز بھی کردیا گیا ہے۔

جامعہ طبیہ کھل جانے سے جہاں اردو مڈیم سے ہائی اسکول اور ہائی سکنڈری پاس کرنے والے طلبہ مستفید ہوں گے وہیں جامعہ سے فارغ ہونے والے بھی فائدہ اٹھائیں گے بشرطیکہ ان کی سند کو حکومت بی اے کے مساوی تسلیم کرلے، ازریہ کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے، اس طرح جامعہ طبّیہ کے قیام سے وقت کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوگئی۔ آج کل جب سرکاری نوکریوں کا حصول جُوئے شیر لانے کے مترادف ہے، بی یو ایم ایس

کی ڈگری پاکر کتنے ہی مسلمان ڈاکٹر بنیں گے اور خدمتِ خلق کے ساتھ عزّت سے اپنی روزی کماسکیں گے۔

راقم نے طلبہ کے ایڈمیشن کے شرائط کے بارے میں دریافت کیا تو رئیس الجامعہ نے کہا کہ یہاں صرف خوبی کی بنیاد (Merit basis) پر ہی داخلہ ہوگا۔ یہ جان کر بڑا اطمینان ہوا۔

آپ نے ایک اور خیال کا بھی اظہار کیا جو مزید خوشی کا باعث ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب کالج بحسن وخوبی چل پڑے گا تو انشاءاللہ خواتین کے لیے الگ سیکشن کھول دیا جائے گا، اس طرح طلبہ اور طالبات کی کلاسیں الگ ہو جائیں گی۔ اور نا قابلِ تشریح نزاکتوں اور اندیشوں سے نجات مل جائے گی۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ اس کالج میں اس بات کا بھی التزام کیا جائے گا کہ سبھی طلبہ کا یونیفارم اسلامی طرز کا ہو، اور وہ روزہ، نماز اور دینی طریقوں کے اس طرح پابند ہوجائیں کہ بعد میں یہی اوصاف ان کی عملی زندگی کا ایک جزوِلازم بن جائیں۔

جامعہ کا مکمل تعارف

جامعہ اسلامیہ اکل کوا کے قیام وبناء کی مدت محض ۳۳ سال ہے، کسی ادارہ کی زندگی کی اس مدت کو کم نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟۔ اس بناء پر اس کو "نوزائیدہ" کہنے میں کوئی لفظی یا معنوی انحراف نہیں ہے۔ لیکن اسی پلک جھپکنے کے عرصے میں اس نے اتنی ہمہ جہتی ترقی کی ہے، جس پر سوائے اظہارِ حیرت کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اس عظیم الشان کارنامہ کو کسی شخصیت کی جانب منسوب کرنے کے بجائے نہایت سیدھی بات یہ ہے کہ مالک الملک کی قدرتِ کاملہ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ ہاں کوششِ پیہم، جہدِ مسلسل اور محنت و

مشقت، نیز بزرگوں کی دعائیں لینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی گئی۔ بہرحال یہ ادارہ آج ہر اعتبار سے ایک مکمل ادارہ ہے۔ جس کے شعبہ جات کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔ اگر ان پر تفصیل سے لکھنے کا ''شوقِ فراواں'' دل میں پیدا کر لیا جائے تو مزید کئی صفحات درکار ہوں گے۔ جن کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ کتاب کا ہر پڑھنے والا خود ہی ان کی تفصیلات کا خاکہ ذہن میں تیار کر سکتا ہے۔ اس لیے ایک سرسری اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

تعلیمی لائنوں سے درج ذیل شعبہ جات ملاحظہ ہوں:

(۱) لجنۃ الدراسۃ (۲) نظامت تعلیمات (۳) شعبۂ تحفیظ القرآن (۴) شعبۂ تجوید وقراءت (۵) شعبۂ عالمیت (۶) محاسبی (۷) شعبۂ تعمیر وتکمیل مساجد (۸) ادارۃ الصناعات (۹) ادارۃ الخدمۃ الاجتماعیۃ (۱۰) ادارۃ التعلیم العصری (۱۱) ادارۂ تدریب المعلمین والائمۃ والدعاۃ (۱۲) شعبۂ ترتیب بالغاں برائے امامت وخطابت (۱۳) ادارۃ الدعوۃ والارشاد (۱۴) قسم النشر والطبع (۱۵) کتب خانہ (۱۶) قسم المطبخ۔

طلبہ کی تحریری وتقریری صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور قرآن کریم کی ترتیل وتجوید کے ساتھ پڑھنے کا شوق ابھارنے کے لیے مندرجۂ ذیل انجمنیں مصروفِ عمل ہیں:

(۱) انجمن اصلاح الکلام (اُردو)

(۲) النادی العربی (عربی)

(۳) لجنۃ القرأۃ والتجوید

(۴) لجنۃ ثمرۃ التربیہ (بالکل ابتدائی درجات کے بچوں کے لیے)

(۵) عظمت قرآن (تحفیظ القرآن)

مختلف عمارتوں کا سنگِ بنیاد اور اِفتتاح:

جامعہ کی مختلف عمارتوں کا سنگِ بنیاد رکھنے یا افتتاح کے موقعہ پر یا کسی جلسہ یا مسابقہ کی تقریب میں شرکت وزیارت کے لیے جن علمائے کرام، مشائخ عظام اور اہلِ خیر و محبین حضرات کو یہاں اب تک مدعو کیا جاچکا ہے، جن میں سے بعض بار ہا تشریف لا چکے ہیں، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

جامعہ میں تشریف لانے والے مؤقر علمائے کرام کے اسماء

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ (بانی جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ)

حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل صاحب کاپودروی (سرپرست جامعہ ہذا)

مشہور اہلِ خیر ودیندار جناب حاجی ابراہیم دادا صاحب، سورت

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ (بانی مدرسہ مرقات العلوم، مئو)

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ (چیف جج امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ)

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ (سابق مہتمم دار العلوم دیوبند)

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر جمعیۃ علماء ہند)

حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب جونپوریؒ (بانی معہد ریاض العلوم گورینی)

حضرت مولانا سید ذوالفقار صاحب (فلاح دارین، ترکیسر، گجرات)

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب ملی رحمۃ اللہ علیہ (سابق شیخ الحدیث معہد ملت، مالیگاؤں)

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب لاجپوری (راندیر، گجرات)

حضرت مولانا علی یوسف صاحب کاوی (رکنِ شوریٰ جامعہ)

حضرت مولانا اسماعیل صاحب منوبری (مہتمم دار العلوم کنتھاریہ)

حضرت مولانا اسرارالحق صاحب قاسمی (صدر آل انڈیا ملی و تعلیمی فاؤنڈیشن دہلی و ایم پی)

حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب قاسمی (ایم پی، آسام)

حضرت مولانا سید حبیب صاحب (مہتمم جامعہ عربیہ ہتھوڑہ، باندہ، یوپی)

حضرت مولانا سید حسیب صاحب (استاذ جامعہ عربیہ ہتھوڑہ، باندہ، یوپی)

حضرت مولانا سید نجیب صاحب (ہتھوڑہ، باندہ، یوپی)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب (صدر مفتی ونائب شیخ الحدیث، ڈابھیل)

جناب مولانا مفتی جمیل نذیری (مبارک پور، یوپی)

حضرت مولانا خالد صاحب رحمانی (صدر معہد العالی، حیدرآباد)

حضرت مولانا کلیم صدیقی صاحب (مہتمم مدرسہ شاہ ولی اللہ پُھلت، مظفرنگر، یوپی)

حضرت مولانا تقی الدین ندوی (مہتمم مدرسہ مظفر پور، اعظم گڈھ)

حضرت مولانا انیس احمد صاحب (بلگرامی، دہلی)

حضرت مولانا مفتی شاکر حسین صاحب (پونہ)

حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری (یوکے)

حضرت مولانا حمزہ صاحب (الہ آباد)

حضرت مولانا ابراہیم صاحب (دیولہ، تبلیغی مرکز دہلی)

حضرت مولانا محمد یونس صاحب، شیخ الحدیث مظاہر العلوم، سہارنپور

حضرت مولانا سعید احمد صاحب اعظمی دامت برکاتہم (ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو)

حضرت مولانا شیخ سید سلیمان حسنی ندوی صاحب (استاذ حدیث ندوۃ العلماء لکھنو)

حضرت مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

حضرت مولانا سعید احمد صاحب سلطان پوری (جمعیۃ علماء دہلی)
حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ (ہردوئی)
سماحۃ الشیخ داؤد العلوانی (سابق قاضی القضاۃ، جدہ)
الدکتور عبداللہ علی البصفر (کویت)
الدکتور عبداللہ عمر نصیف (سابق جنرل سکریٹری رابطۂ عالم اسلامی)
الشیخ احسان منیب السلمی (نمائندہ لجنۃ الفلاح الخریۃ)
الشیخ عبدالجلیل الغربلی (رئیس مبرۃ الفلاح الخیریۃ، کویت)
الشیخ ابوعبداللہ احسان شبلی (عضو مبرۃ الفلاح الخیریہ، کویت)
الشیخ عبدالعزیز عتیق (دارالافتاء، ریاض)
الشیخ محمد خیر المکی الحجازی (استاذ حرم، مکہ مکرمہ)
الشیخ اسامہ الفرحان (مدیر للمبرۃ الفلاح الخیریہ، کویت)
الشیخ محمد علی سراج (اسلامک بینک جدہ)
الشیخ محمد احمد سالم (اسلامک بینک جدہ)
الشیخ محمد صالح عبداللہ صنعان (جدہ، سعودی عرب)
شیخ عبدالوہاب عبدالرحمٰن نورولی (جدہ)
الشیخ خالد طہ الانصاری (کویت)
الشیخ موسیٰ بن سلیمان الدویش (مدینہ منورہ)
الشیخ عبدالعزیز محمد الفریح (استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ)
الشیخ شاطع الخشرم (مندوب بیت الزکاۃ، کویت)

الشیخ عبدالقادر السیت (سعودی عربیہ)

الشیخ فیصل بامشیع (سعودی عربیہ)

جناب حاجی احمد وسئ والا (جدہ)

جناب اقبال بھائی وسئ والا (جدہ)

جناب فرید بھائی وسئ والا (جدہ)

جناب عبدالقادر بھائی وسئ والا (جدہ)

جناب سلیم بھائی وسئ والا (جدہ)

جناب حاجی عبدالکریم وسئ والا (جدہ)

جناب حافظ احمد عمر (یوکے)

جناب عبدالمجید پٹیل (یوکے)

جناب افضل عبدالمجید پٹیل (یوکے)

جناب اسماعیل کاکا (یوکے)

جناب عبدالستار صاحب (MLA)

جناب عارف نسیم صاحب منسٹر (مہاراشٹر)

جناب انیس احمد منسٹر (مہاراشٹر)

جناب فیصل ہوا (ممبئی)

جناب فاروق ہوا (ممبئی)

جناب مشتاق بھائی (پٹھا والا، احمد آباد)

جناب ایوب بھائی (پٹھا والا، احمد آباد)

جناب سلیم بھائی (پٹھاوالا، احمد آباد)

جناب افضل بھائی میمن (پٹھاوالا، احمد آباد)

جناب عبدالستار صاحب میمن (پٹھاوالا، احمد آباد)

جناب حاجی غلام محمد صاحب پاڈیا (امیرِ جماعت ساؤتھ افریقہ)

جناب حاجی لعل محمد صاحب، امریکہ

پروفیسر حاجی عبدالقادر (سپاری والا، ممبئی)

علاوہ ازیں مہاراشٹر، ایم پی، یوپی، بہار، راجستھان، ہریانہ، پنجاب، کشمیر، بنگال، آسام، ساؤتھ افریقہ، وزانبیا وغیرہ کے دیندار اور علمائے کرام حضرات، نیز جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور کویت کے وفود بھی جامعہ میں قدم رنجہ فرما چکے ہیں۔ اور اس کی خدمات سے اس قدر متأثر ہوئے کہ دل کھول کر اس کی دینی وتعلیمی سرگرمیوں کی تعریف، چناں چہ آگے کچھ مشاہیر کی آراء وتأثرات پیش کئے جارہے ہیں۔

تأثّراتِ زائرین:

☆ ''میں جامعہ کی تعلیمی وتعمیری سرگرمیوں کو دیکھ کر محضوض ہوا۔ دینی حمیّت اور اخلاقِ حمیدہ سے مزین ہندوستانی علماء وشیوخ اور عام مسلمانوں سے ملاقات کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں؛ جامعہ کی عظیم خدمات مشکور ہیں''۔

ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (سابق جنرل سیکریٹری رابطہ عالمِ اسلامی، مکہ مکرمہ)

☆ ''ایک طرف تعمیری ترقیوں سے جامعہ ہم آغوش ہے، دوسری طرف تعلیمی ترقی کا یہ حال ہے کہ تجوید وعلمی پختگی کے ساتھ مختلف مقامات پر کافی مکاتبِ قرآنیہ چل رہے ہیں۔ الحمدللہ جامعہ کے منصوبے اور عزائم نہایت بلند ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ

سے اہلِ جامعہ کو گہرا تعلق ہے۔مولانا غلام محمد صاحب بڑے باصلاحیت اور فعّال آدمی ہیں''۔ (مولانا عبدالحلیم صاحب دامت فیوضہم)

☆ ''سَت پُڑا کی اس وادیٔ غیر زرع میں قال اللہ اور قال الرسول کی آوازوں کو سن کر دل خوشی اور مسرّت سے لبریز ہو گیا''۔حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہٗ

☆ ''الحمدللہ! نظم و نسق اطمینان بخش اور اساتذۂ کرام و دیگر عملہ کی کوششیں قابلِ صد تبریک و ستائش ہیں''۔ (مولانا اسماعیل صاحب منو بری دامت برکاتہم)

☆ ''درجاتِ حفظ و دینیات کی تعلیم کا جائزہ لیا۔ماشاءاللہ تعلیم عمدہ پائی، نظم و نسق اور اساتذۂ کرام کا اتحاد و اتفاق قابلِ رشک پایا''۔(مولانا اسماعیل آدم مکوڑیا،مقیم یو، کے)

☆ مولانا غلام محمد صاحب کی غیوبت کے باوجود جامعہ کے سارے شعبے اپنے عمل میں رواں دواں پائے''۔ (حضرت مولانا علی یوسف صاحب کاوی)

☆ ''یہاں ہم سیکھنے کے لیے آتے ہیں کہ دین کا کام کس طرح کیا جاتا ہے''۔ سر پرستِ جامعہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی (رحمۃ اللہ علیہ)

☆ ''حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی بانی و ناظم جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا ضلع نندربار مہاراشٹر کی پرخلوص دعوت پر خاکسار کو اس عظیم الشان اسلامی و دینی درسگاہ و تربیت گاہ میں حاضری کا موقع ملا۔ یہاں النادی العربی اور مسابقۃ القرآن کے شاندار پروگراموں میں شرکت ہوئی۔

مولانا وستانوی صاحب قابلِ رشک ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیقِ خاص سے نوازا ہے۔اور ان کی ایک ذات سے علومِ اسلامیہ اور دینی تعلیم و تربیت کی اشاعت کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر انجام پا رہا ہے۔

☆ ''جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم'' ظاہری اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے قابلِ تقلید ادارہ ہے، لیکن مولانا کی سرگرمیاں یہیں تک محدود نہیں ہیں بلکہ جامعہ کی تقریباً ۲۷۰۰ شاخیں پورے علاقے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور جہاں دین کے نام سے لوگ واقف نہیں تھے وہاں اب دین علومِ دین کے مراکز قائم ہوگئے ہیں۔ اور نئے سرے سے اسلام کے پھیلنے اوراس کے سمجھنے کے مواقع فراہم ہورہے ہیں''۔ (حضرت مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی مدیر البعث الاسلامی وصدر کلّیۃ اللّغۃ العربیۃ/ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

تین سال پیشتر لجنہ نے دارالعلوم دیوبند کے وفد کو تعلیمی جانچ کے لیے مدعو کیا تھا۔ وفد کے ارکان نے جانچ کے بعد اپنے تأثرات اس طرح پیش فرمائے!

☆ مؤرخہ ۲۷/ ربیع الثانی یومِ جمعہ کو مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا میں بحکمِ حضرت مولانا ارشد صاحب مدظلہ وبہ دعوتِ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب مدیر الجامعہ، بغرضِ امتحان ششماہی حاضری کا موقع ملا۔ دو یوم تک مختلف درجاتِ عربیہ و ابتدائیہ کا امتحان لیا۔ تقریباً جملہ شعبہ تعلیم کو بعض کو اجمالاً اور بعض کو تفصیلاً دیکھنے کا موقع ہوا، بچوں کی تعلیم وتربیت اور یہاں کے نظم وضبط کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ میں بجا طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ جامعہ ہٰذا تعلیم وتربیت اور نظم وضبط کے اعتبار سے ایک مثالی ادارہ ہے''۔

(حضرت مولانا شبیر احمد صاحب/ مدرس دارالعلوم دیوبند)

☆ ''یہ اگر حقیقت ہے اور یقیناً ہے کہ ظاہر باطن کا ترجمان ہوتا ہے تو پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک طرف اپنی ظاہری وجاہت کے اعتبار سے نمایاں ہے تو بلاشبہ اپنی روحِ باطنی کے اعتبار سے نہایت مقدس و پاکیزہ ہے۔ اگر تعلیم معیاری ہے تو تربیت قابلِ تقلید''۔ (مولانا خورشید انور صاحب/ مدرس دارالعلوم دیوبند)

جامعہ سے فیضیاب ہونے والی پسماندہ مسلم برادریاں

مغلیہ حکومت کے خلاف جنوبی ہند کی شورش کو دیکھ کر جب اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالسلطنت تبدیل کرنے کے لیے اورنگ آباد کا انتخاب کیا تو دہلی سے ان کا قافلہ ہاتھیوں، گھوڑوں پر سوار ہو کر اور کچھ پا پیادہ نکلا، برہانپور کے بعد خاندیس کے علاقوں تک جنگلات کا سفر تھا اور راہ سے بھٹک جانے کا اندیشہ تھا۔ چناں چہ قافلہ کی رہنمائی کے لیے ''تڑوی بھیل'' برادری نے آپ کا ساتھ دیا، جس کی خوشی میں شہنشاہ موصوف نے اس کثیر آبادی کو ایمان کا تحفہ دیا اور پھر یہ برادری ''تڑوی بھیل'' کے بجائے ''تڑوی پٹھان'' کہلائی۔ اس طرح برہانپور سے لے کر چوپڑا اور اجنٹہ تک اس برادری کے تقریباً تمام لوگوں میں اسلام کی دولت تقسیم ہوئی۔ لیکن سَت پُڑا پہاڑیوں کے دامن میں آباد مقامات (بشمولِ اکل کوا و مضافات) میں یہ دولت کم پہنچی پھر بھی بالکل محرومی نہ رہی بل کہ یقیناً کچھ لوگ اسلام کے دائرہ میں آ ہی گئے۔

علاوہ ازیں اس علاقہ میں تھوڑی تعداد میں ''ایرانی اور میواتی'' نسل کے لوگ بھی آباد ہیں، جو مسلمان ہونے کے باوجود دین و مذہب کے لحاظ سے تڑوی برادری سے مختلف نہیں تھے۔ اور سب کے سب اپنے مذہب کو فراموش کر بیٹھے اور اپنی اصل کو بھول چکے تھے۔ مولانا وستانوی نے انہیں خطوں میں مدارس و مکاتب کا جال بچھا کر دینی اور تعلیمی اعتبار سے ایک ''نیا خاندیس'' آباد کر دیا۔ اب یہی ہزار ہا ہزار تڑوی بچے قرآن اور دینیات کی تعلیم سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ کچھ عالم و حافظ بن کر تدریس و تبلیغ اور امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اور انہیں کے ذریعہ یہاں اسلام کی رگوں میں تازہ خون پہنچنے کی تمام راہیں ہموار ہو گئی ہیں۔ یہ محض اکل کوا کا فیض اور صدقہ ہے، اور وہیں سے نکلنے

والے سورج کی جلوہ سامانیاں ہیں۔ خدا جب کسی قوم کی حالت میں تبدیلی کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو وہی اس کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔ یہی صورتِ حال یہاں بھی مشاہدہ میں آرہی ہے، یعنی دین کے لحاظ سے ایک ٹھکرائی ہوئی اور نا قابلِ اعتناء آبادی آج اسلام کا نمونہ بن کر سامنے آرہی ہے۔ اور مستقبل میں اس کے مقدر میں سفینۂ دین کی ناخدائی کے آنے کا اس قدر یقین ہوگیا ہے کہ بے اختیار یہ شعر بار بار زبان پر آرہا ہے۔ اور عنقریب سب لوگ اس کو گنگناتے پھریں گے ؎

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تعلیمِ قرآن کے سلسلے میں

مولانا وستانوی مدظلہ کا تجدیدی کارنامہ

قرآن کس لیے ہے؟

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جو بحالتِ ہوش وحواس قرآن کے احترام کا دل میں جذبہ نہ رکھتا ہو، خواہ وہ اس کی تلاوت کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔ اور شاید ہی کسی مسلمان کا گھر قرآن سے خالی ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ آج مسلمانوں نے اس کو حصولِ برکت کا ایک ذریعہ بنالیا ہے، یعنی قرآن گھر میں ہوگا تو برکت آئے گی۔ قرآن گھر میں نہیں ہوگا تو یہ نحوستوں اور شیاطین وجنّات کا بسیرا بن جائے گا۔ اب عام طور پر قرآن کو کسی مقصد بالعموم دنیاوی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ سب سے بڑا مقصد تو میّت کے لیے ایصالِ

ثواب کا ہے جو دسویں، بیسویں اور چالیسویں دن پھر ہر برسی کے موقع پر کیا جاتا ہے (یہاں جواز اور عدمِ جواز سے بحث نہیں) اس کے علاوہ نیا مکان بنانے کے بعد، ہوٹل، دکان اور ڈسپنسری کے افتتاح کے وقت، شادی اور منگنی سے دو چار دن پہلے اور نہ جانے کن کن مواقع پر اجتماعِ قرآن خوانی ہوتی ہے۔لیکن صد حیف! آج یہ احساس بہت کم پایا جاتا ہے کہ قرآن ''منشورِ ہدایت'' اور ''ضابطۂ حیات'' ہے۔اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے میں دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی کا راز مضمر ہے۔بہر حال عام طور سے اتنا احساس ضرور ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنی چاہیے۔اگر چہ اس کی توفیق کم ہوتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہے تو تلاوت صحیح ہوتی ہے یا غلط اس کی طرف آج توجّہ دینے والے بہت کم ہیں۔

یہاں قرآن کے تعلق سے دو باتوں کا ذکر کرنا ازبس ضروری ہے۔ایک تو یہ کہ اس کی عبارتوں کے معانی و مطالب کو سمجھ کر پڑھا جائے تا کہ قرآن کے تقاضے، نص کے احکامات، اس کے پیغامات، اُممِ سابقہ کے حالات اور پیغمبروں کے واقعات وغیرہ معلوم ہوں اور مسلمان ان باتوں کو جان کر قرآنی ہدایات کے مطابق زندگی گزارے۔ظاہر ہے کہ یہ کام تمام مسلمان نہیں کر سکتے۔اس کے لیے عربی علوم وفنون کی تعلیم میں دس بارہ سال لگانا اور سخت محنت کرنی پڑے گی۔دوسرے یہ کہ روز مرّہ پیش آنے والے مسائل اور قرآن کی تلاوت سیکھنا فرض ہے۔اس کے بغیر خلاصی نہیں ہو سکتی۔اور آخرت میں ضرور مواخذہ ہوگا۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہم تمام بچّوں کو مولوی اور عالم فاضل نہیں بنانا چاہتے لیکن سچّا پکّا دیندار ضرور بنانا چاہتے ہیں۔'' کیا یہ دینی مسائل اور قرآن کی تعلیم کے بغیر ممکن ہے؟

تصحیح وتجوید کی اہمیت:

قرآنِ کریم میں ''ورتّل القرآن ترتیلا '' وارد ہوا ہے، اس آیت کی رو سے امّت کو بھی اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ ترتیل ایک جامع لفظ ہے جس میں تلاوت کے جملہ آداب وحقوق شامل ہیں۔

دنیا کی تمام زبانوں کے تلفّظ کا ایک متعارف اسلوب ہوتا ہے، اور اس سلسلہ میں اہلِ زبان کے طرزِ ادا اور لب ولہجہ کو اختیار کرنا ضروری ہے، ورنہ الفاظ وعبارت کا خون ہو جائے گا۔ انگریزی کو لیجئے، آج یہ زبان پوری دنیا میں رائج ہے اور اس کے بے شمار تلفّظ اور لہجے اختیار کئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی اجنبی زبان پر مادری زبان کے تلفّظ اور لہجہ کی فطری طور پر چھاپ پڑتی ہے اور اس کو معیوب نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ آدمی اپنے فطری لہجہ کو لاشعوری طور پر اختیار کرنے کے باب میں مجبور ہے۔ لیکن اس کو ''مستند'' کا نام بھی نہیں دیا جاسکتا۔ انگریزی کے سلسلہ میں انگلینڈ کے لب ولہجہ اور تلفّظ کو ٹکسالی مانا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس زبان کی تزئین وتصحیح کے بھی کچھ آئین وضوابط ہیں۔ اور کچھ اصول و قواعد تفصیل سے مرتّب کئے گئے ہیں؛ جن کو سیکھنے اور مشق کئے بغیر اس کو پڑھنے یا بولنے والے کے لہجہ کو مستند اور معتبر نہیں کہا جاسکتا؛ عربی زبان بھی اس کلّیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

عربی زبان کا وطن ملکِ عرب ہے۔ وہیں یہ زبان وجود میں آئی اور پروان چڑھی۔ اور عہدِ رسالت میں سب سے بہترین لہجہ قریش کا تھا اور آج بھی ہے۔ آج تقریباً پوری دنیا میں جہاں کہیں مسلمان بستے ہیں، اور ہر جگہ بستے ہی ہیں، یہ زبان پڑھی اور سیکھی جاتی ہے۔ اور سیکھنے میں سب سے پہلا مرحلہ تلاوت یا عبارت خوانی کا آتا ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور سو فیصد محکم درست اور اٹل ہے کہ قرآن کی تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت

اور اوّلیت حاصل ہے۔ جاہل سے جاہل شخص بھی اتنا ضرور جانتا ہے کہ مسلمان کو قرآن کی تلاوت کرنی چاہیے۔ لیکن تلاوت کے سلسلہ میں کس امر کو سب سے زیادہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے فی الوقت وہی ہمارا موضوعِ سخن ہے۔ چناں چہ اس بات کو بلا چون وچرا تسلیم کر لینا چاہئے کہ قرآن کو صحت وتجوید کے ساتھ پڑھنا فرض ہے۔ اس کے بغیر کبھی کبھی معانی بالکل الٹ جاتے ہیں۔ اور بات کچھ کی کچھ ہو جاتی ہے۔ اسی حقیقت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے تجوید وقرأت کے موضوع پر بیش بہا کتابیں عربی میں تصنیف کی گئیں۔ جو محنتِ شاقّہ کے بعد اردو میں بھی منتقل کی گئیں جس سے اس فن کا سیکھنا اور برتناسب کے لیے آسان ہو گیا۔ بس محنت اور لگن شرط ہے۔ لہٰذا محض تلاوت پر ہی اکتفا کرنا اور اس کے لوازمات سے نگاہیں پھیر لینا بہت بڑا جرم ہے؛ اس لیے تمام مسلمانوں کو تلاوت کرنی بھی ضروری ہے اور تجوید و تصحیح کا خیال رکھنا بھی لازمی ہے۔

مولانا وستانوی اور تعلیمِ قرآن کی نشر واشاعت:

مولانا وستانوی کی افتادِ طبع خدا جانے شروع ہی سے ہی یہ تھی یا بعد میں ہوئی کہ قرآن کی تعلیم کو جملہ تعلیمات پر ترجیح اور اولیت دینا انتہائی ضروری ہے۔ یقیناً ان کی نگاہ بل کہ سودائے قلب میں مشہور ومعروف حدیث ''خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ'' رچ بس گئی تھی۔ ان کے ایمان اور یقین کے مطابق مسلمانوں کی تمام تر بدحالیوں اور ذلتوں کا سبب یہی ہے کہ وہ قرآن کی تعلیم کی طرف نگاہِ التفات نہیں اٹھاتے بل کہ اس کو یکسر چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یہاں شاعر کی مراد تو یہی ہے کہ مسلمان اس وقت دنیا میں کامیاب اور سرخرو تھے جب تک وہ قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا تھے اور جب تک ان کے قلوب ایمان کی روشنی سے منور تھے۔ اور وہ پوری دیانت کے ساتھ اسلامی تعلیمات اور احکام پر عملاً ثابت قدم تھے۔ لیکن جوں ہی انہوں نے قرآن کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر نفسانی خواہشات کے مطابق زندگی کا سفر شروع کیا۔ دنیا کی ذلت وخواری اور نکبت ورسوائی ان کے نصیب کا جز ولاینفک بن گئی۔ گویا ''ترکِ قرآن'' صرف یہی نہیں ہے کہ قرآن کی باتوں پر عمل نہ کیا جائے۔ بل کہ یہ بھی کہ اس کی تلاوت کو بھی خیر باد کہہ دیا جائے۔ جو قرآن سے بہرہ مند ہونے اور تمام فیوض وحسنات سے مستفید ہونے کا سب سے آسان، سہل ترین اور اولین ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی قرآن سے اس وجہ سے بے تعلق ہو جائے کہ اس کی تلاوت بھی نہ کرے تو اس سے یہ توقع کس طرح کی جاسکتی ہے کہ وہ قرآنی علوم سے دامن بھر کر اس کے احکام پر بھی عمل کرے گا۔

یہ ایک المیہ سے کم نہیں کہ قرآن پڑھنے پڑھانے کا کم وبیش ہر دور میں ہندوستان کے مسلمانوں نے انتظام کیا ہے۔ لیکن لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ عربی تلفظ کے بھی کچھ آداب اور اصول ہیں یہاں عوام کی بات چھوڑیئے خود معلّمین کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ چناں چہ زمانۂ دراز تک اسی پرانی ڈگر پر قرآن پڑھنے پڑھانے کا کام چلتا رہا لیکن کسی کی توجہ اس طرف نہیں تھی کہ قرآن کس طرح پڑھا جائے۔ خود ہماری آپ بیتی یہ ہے کہ ہم نے بچپن میں قرآن ختم کیا اور اردو فارسی کی تعلیم سے فراغت پانے کے بعد جب عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے لگے۔ اس وقت تک ہم ''حرکت، معروف، مجہول'' نہیں جانتے تھے بلکہ بہت دن بعد تک بھی اس کا علم ہمارے لیے ''مجہول'' ہی رہا۔ تجوید کے دیگر قواعد کی

بات تو بہت بڑی ہے۔

مولانا وستانوی نے حضرت مولانا ابرارالحق صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اور حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی (رحمۃ اللہ علیہ) سے بار بار مشورہ کرنے کے بعد عزم بالجزم کے ساتھ حرکت وعمل بن کر قرآن کی تعلیم اور صحیح تعلیم کو رواج دینے کے لیے ایک صور پھونکا جس سے سوئی ہوئی بستیاں خواب غفلت سے بیدار ہوئیں اور ان کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں جب صور کی آواز پر غور کیا تو دل پر پڑے ہوئے پردے بھی ہٹ گئے، انہیں یقین ہو گیا کہ ہم قرآن سے لاپرواہی اور لاعلمی کے باعث قعر مذلت میں گرے ہوئیں ہیں۔ اب اس صورت حال میں تبدیلی کے لیے ہمیں ایک نئے اور سچے پکے مسلمان کے ڈھانچے میں ڈھل جانا چاہیے۔ مولانا کا یہ صور ''صور اسرافیل'' سے کم نہیں تھا جس کا عام اثر یہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں یہی ایک جذبہ انگڑائیاں لینے لگا کہ اب سب سے پہلی ضرورت قرآن پڑھنے اور پڑھانے کی ہے ورنہ ہماری مکمل تباہی میں دیر نہیں ہے۔ مولانا چل پھر کر ان تمام بستیوں اور دیہاتوں کا جائزہ لیا جو قرآن کی تعلیم کے لحاظ سے یتیم تھے۔ چناں چہ مساجد میں ائمہ کا تقرر کرنے کے ساتھ ہی ان کی ایسی ٹریننگ کا بھی انتظام کیا کہ وہ قرآن کو صحت و تجوید کے ساتھ پڑھا سکے اور امامت کے فرائض بھی اعتماد کے ساتھ انجام دیں سکیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال بھی نہیں گزر رے تھے کہ یہ ویران بستیاں تلاوت و تجوید کا چمن زار بن گئیں۔ جن قریوں میں صبح و شام چرند و پرند کی صداؤں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا، آج وہاں سے تلاوت کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں؛ جہاں تلاوت قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی نہر جاری نہیں تھی، آج وہاں سے چشمے اُبل رہے ہیں؛ جن مقامات پر تلاوت کے پانی کا کوئی چھوٹا سا سوت بھی نہیں تھا، آج وہاں سے اسی کے

تیز رفتار آبشار بہہ رہے ہیں۔اس طرح قرآن کی تعلیم کی ایک ایسی فضاء بن گئی ہے جس میں ہر شخص فرحت وسرور کے ساتھ سانس لے رہا ہے اور اپنی دونوں جہان کی کامیابی پر نازاں ہے۔

آپ جامعہ یا جامعہ کی کسی بھی شاخ میں چلے جائیے اور کسی درجہ میں پہنچ کر کسی بھی طالبِ علم کو تلاوت کا اشارہ کر دیجئے وہ فوراً آپ کو قرآن کا کوئی حصہ ایسی خوبصورتی سے تجوید کی رعایت کے ساتھ سنا دے گا کہ آپ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ میں تو اس بچے جیسا نہیں پڑھ سکتا۔اگر میری بات بار خاطر ہو تو اس کو میری طرف لوٹا دیجئے اور مجھ پر محمول کر دیجئے کیوں کہ میں نے تو بارہا ایسا ہی محسوس کیا ہے۔ یہ سب کرشمے ہیں اس ''سیماب صفت''مردِ مومن کی جہدِ مسلسل کے جس کو آج دنیا مولانا غلام محمد وستانوی کے نام سے جانتی ہے۔

آپ کی جانچ کا طریقہ:

آپ جب کبھی کسی مدرسہ میں یا جامعہ کی شاخوں میں جاتے ہیں تو آپ بچوں کو اپنے پاس بلا کر دو چار سے قرآن کی چند آیتیں ضرور سنتے ہیں اگر وہاں کتابوں کی تعلیم بھی ہوتی ہو پھر بھی وہ کوئی کتابی سوال کم ہی کرتے ہیں زیادہ تر قرآن ہی سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ یوں تو تلاوت کرنے والے سبھی بچوں کو انعام دیتے ہیں مگر جس بچے کی تلاوت ہر اعتبار سے بالکل درست ہوتی ہے اس کو خصوصی انعام سے ضرور نوازتے ہیں اور سر پر دستِ شفقت پھیرتے اور دعائیں دیتے ہیں۔ جامعہ میں جب کسی کا حفظ پورا ہو جاتا ہے تو اس کو بلا کر چند سورتیں یا آیتیں سنتے ہیں اور بے انتہا خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ خوشی ان کے جذبۂ دل کا اظہار ہوتی ہے اور صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ محض ہونٹوں کی

مسکراہٹ نہیں بلکہ اس میں دل کی بے پایاں خوشی بھی شامل ہے۔قرآن کی تعلیم کے ساتھ اتناوالہانہ اور مجنونانہ شغف دیکھنے میں نہیں آیا۔اب انہیں ''خادم القرآن'' کا خطاب کیوں نہ دیا جائے بلکہ اگر اس سے بھی زیادہ معنی خیز کچھ الفاظ ہو سکتے ہوں تو وہ سبھی ان کو زیب دیتے ہیں۔

مسابقات القرآن

کچھ عرصہ پہلے تک مسابقۃ القرآن کے نام سے کان نا آشنا تھے۔۱۹۹۲ء میں مولانا وستانوی نے ایولہ ضلع ناسک میں ایولہ اور قرب و جوار کی بستیوں کے قرآن خواں بچوں کے درمیان ایک مسابقہ کرایا۔جب اس کا پوسٹر ہم نے دیکھا تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر اس جلسہ میں کیا ہونے والا ہے۔حالاں کہ ہم مسابقہ کا لفظی ترجمہ جانتے تھے لیکن اس کے طریقۂ کار سے بالکل ہی نابلد تھے کیوں کہ اس سے پہلے نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ ہاں تقریری اور تحریری مقابلوں کا نام شروع سے ہی جانتے تھے۔

دراصل آپ ہر اس تدبیر پر عمل کرنے کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں جس سے تعلیم و حفظِ قرآن کا شوق عام ہو بشرطیکہ وہ دین و مذہب کے خلاف نہ ہو اور اس سے بہتر تدبیر اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ طریقہ عرب ممالک میں پہلے سے رائج ہے مگر ہندوستان میں اس کا رواج بالکل نہ تھا۔گزشتہ سطور میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ کی سب سے پہلی شدید خواہش جو جنوں کی حد تک پہنچ چکی ہے صرف یہی ہے کہ ہندوستان میں کوئی بچہ قرآن کی تعلیم سے محروم نہ رہے اور یہ کہ صحیح تلاوت کی ایک عام فضاء ہموار ہو جائے۔

چناں چہ جامعہ ہر سال لجنۃ القرأۃ والتجوید کی طرف سے مسابقۃ القرآن کا انقاد ضرور کرتا ہے۔

لیکن یہ ضروری نہیں کہ جامعہ میں ہی میں اس کا انعقاد ہو۔کبھی یہ اکل کوامیں ہوتا ہے اور کبھی باہر کسی شہروں میں منعقد کیا جاتا ہے،کبھی اس کی شاخوں کے مابین کسی مقام پر کرایا جاتا ہے۔اور کبھی اس کو اور اس کی شاخوں اور مہاراشٹر کے مدارس کو ملا کر ''آل مہاراشٹر'' پیمانے پر اکل کوامیں ہوتا ہے۔حاصل کلام یہ ہے کہ اکل کوا کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی جامعہ کی نگرانی میں مسابقات ہوتے ہیں۔

مولانا وستانوی کی دلی آرزو تھی کہ سعودی عرب میں ہونے والے ''مسابقہ''میں کبھی جامعہ کے بچے بھی شریک ہوں؛ یہ تمنا بھی خدا نے اس طرح پوری کر دی کہ ۱۹۹۲ء میں دو لڑکوں کی شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا۔چناں چہ دو طالب علم اس میں شرکت کی غرض سے بھیجے گئے جو خدا کے فضل وکرم سے اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

نومبر ۱۹۹۴ء میں جب ''کل ہند'' پیمانے پر جامعہ میں مسابقہ کے انعقاد کا خیال مولانا وستانوی کو ہوا تو آپ اور آپ کے رفقائے کار نے تقریباً تمام بڑی بڑی وریاستوں مثلاً مہاراشٹر، گجرات، ایم پی، راجستھان، بنگال، آسام، ہریانہ اور کشمیر وغیرہ کا دورہ کیا (ان ریاستوں میں خصوصیت کے ساتھ ایسے علاقوں میں یہ حضرات گئے جو دینی تعلیمی لحاظ سے پیچھے تھے)۔

اور کسی مرکزی مقام پر اطراف کے مدارس کے مابین مسابقۃ القرآن کرایا اور اچھے نمبرات حاصل کرنے والے طلباء کو جامعہ اکل کوا کے'' آل انڈیا'' مسابقہ میں شرکت کی دعوت دی چناں چہ اس میں جامعہ اور مختلف ریاستوں کے ۱۵۳ ؍طلبہ نے حصہ لیا۔اور جس کے نصیب میں جو انعام تھا،اس سے وہ سرفراز کیا گیا (عمومی انعام سے کوئی محروم نہیں کیا گیا)۔

جامعہ نے قرآنی مسابقات کی آواز اس شدومد سے لگائی کہ یہ ہندوستان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ گئی۔ اور آج ہندوستان کے تمام مدارس و مکاتب اورعوام وخواص کے لیے یہ نام انتہائی مانوس ہوگیا ہے۔

آج دنیا کے تمام میدانوں میں تقابل وتسابق کا ایک نظام چل پڑا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر تلاوت قرآن اور تعلیم وتصحیح نیز ترتیل وتجوید کی صدا ہندوستان کی سرزمین پر کبھی بلند نہیں ہوئی۔ یہ مولانا وستانوی کا قرآن کے تعلق سے ایسا تجدیدی کارنامہ ہے جسے دنیا فراموش نہیں کرسکتی اور بے لاگ و دیانتدار تذکرہ نگار کبھی نظرانداز نہیں کرسکتا، شاید ایسے ہی فلک پیما متحرک وفعال اور بے مثال انسانوں کے ہی بارے میں کہا گیا ہے کہ

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ضمیمہ

حسبِ ایماء

ناظم تعلیمات حضرت مولانا حذیفہ وستانوی صاحب

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

جمع وترتیب

مولانا نظام الدین صاحب قاسمی

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

بانیٔ جامعہ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کا سوانحی خاکہ

آپ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا کے بانی، دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ؛ نیز دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم، مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ عربیہ ہتھورہ باندہ کی مجلس شوریٰ کے رکن، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے مریدِ خاص اور حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کے اجل خلفاء میں ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۷۰ھ/مطابق ۱۹۵۰ء کو سورت کے مشہور ومعروف قصبہ ''کوساڑی'' میں ہوئی۔

نسب: آپ کا نسب اس طرح ہے غلام محمد، بن محمد اسماعیل، بن محمد ابراہیم، بن محمد۔ آپ کا خاندان ''رندیرا'' کہلاتا ہے، آپ کے آباواجداد نے ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء میں ''کوساڑی'' سے منتقل ہوکر ''وستان'' میں بود وباش اختیار کرلی تھی، اسی بناء پر آپ وستانوی کہلاتے ہیں وستان ضلع سورت (گجرات) ہی کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو قصبہ کوساڑی سے متصل ہے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے قرآن مجید اپنے وطن کوساڑی ہی میں رہ کر پڑھا، اس کے بعد نانہال ہتھورن (سورت) تشریف لے گئے، جہاں ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ قوت الاسلام گھلاں (سورت) اور مدرسہ شمس العلوم بڑودہ میں بھی رہکر ابتدائی کتابیں مختلف اساتذۂ کرام سے پڑھیں۔ ۱۹۶۴ء میں گجرات کے مشہور ومعروف مدرسہ فلاح دارین ترکیسر میں داخل ہوئے اور مسلسل آٹھ سال رہکر ۱۹۷۲ء کے اوائل میں

سند فراغت حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی احمد صاحب بیماتؒ، حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی، حضرت مولانا شیر علی افغانی صاحب اور حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

فلاح دارین سے فراغت کے بعد مزید علمی پیاس بجھانے کے لیے۱۹۷۲ء کے اواخر میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے اور وہاں حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب جونپوری مدظلہ العالی سے بخاری شریف اور دیگر اساتذۂ دورۂ حدیث سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور۱۹۷۳ء میں فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد قصبہ بوڈھان (ضلع سورت) میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دی، اس کے بعد۱۹۷۳ء کے اواخر میں دارالعلوم کنتھاریہ بھروچ تشریف لے گئے اور وہاں فارسی سے لے کر متوسطات تک مختلف کتابیں پڑھائیں۔

راہِ سلوک: ۱۹۷۰ء میں جبکہ آپ فلاحِ دارین ترکیسر میں ہدایہ وغیرہ پڑھ رہے تھے، تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، حضرت شیخ الحدیث کی بڑی عنایتیں اور توجہ آپ کے ساتھ رہیں، ۱۹۸۲ء میں جب حضرت شیخ الحدیث کا انتقال ہوگیا تو آپ نے حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ سے رجوع فرمایا اور آپ ہی سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی نیز آپ کو محدثِ دوراں ولیٔ کامل جناب حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور سے بھی خلافت واجازت حاصل ہے۔ آپ کی مجلس ذکر فجر کی نماز کے بعد منعقد ہوتی ہے جس میں دورۂ حدیث کے طلبہ اور اساتذہ شریک ہوتے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

تاسیس، خدمات اور منصوبے

''جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندربار، مہاراشٹر'' کا قیام اس وقت عمل میں آیا جب حضرت مولانا غلام محمد وستانوی زید مجدہٗ ۱۹۸۰ء میں ایک مقدس تبلیغی سفر کے ارادے سے، ست پڑا کے علاقے میں آباد مسلم بستی کا علمی وعملی جائزہ لینے کے لیے آئے، تو یہاں کی بدعات ورسومات اور جہالت وکم علمی کی تہہ بہ تہہ تاریکیوں کو چھانٹنے کے لیے ایک مدرسے کے قیام کا قطعی فیصلہ کر ہی لیا۔

کہاں ست پڑا علاقے کی سنگلاخ اور پتھریلی زمین اور کہاں دلوں کی موم بنانے کے لیے مجنونانہ اور مجاہدانہ عزم؛ لیکن مولانا نے سوچ لیا کہ اب تو بارِ غم اٹھالیا، جو ہو سو ہو، اور ایک نئے طرز واسلوب سے خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی رسی مضبوطی سے تھامنے کی پیہم دعوت دینا ہے، بقول شاعر:

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

الغرض ۱۹۸۰ء میں اکل کوا کی سرزمین پر جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم کا قیام عمل میں آگیا۔ عزم تھا کہ دیہی اور پس ماندہ علاقوں کے مسلمان بچوں کی ابتدائی بنیادی تعلیم دے کر ان کا اسلامی عقیدہ پختہ کر دیا جائے، تاکہ وہ خود اپنے ہی علاقے میں واپس جا کر اپنے ہی پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے نونہالوں کو دین کی کلیدی تعلیم سے آراستہ کریں۔ نورانی قاعدہ، قران کی صحت وتجوید کے ساتھ تلاوت، ایمانی کلمے، مختصر مگر جامع احادیث، بنیادی نماز روزے سے متعلق مسائل اور زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے آگاہ کر کے انھیں

اپنے وطن واپس لوٹانے میں جامعہ کامیاب رہا۔ ابھی جامعہ کی کل عمر ۳۰ رسال سے قدرے متجاوز ہوگی، اس دوران جامعہ کی حیرت انگیز کامیابی صرف خداوندقدوس کی غیبی مدداورمعاونین ومخلصین کی غیبی توجہ کانتیجہ ہے ۔

این سعادت بزور بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

جامعہ کے عزائم ،مقاصد، اہداف ،سرگرمیاں ،طرزعمل، کامیابی اورمخلوق کی خدمت

Vision(عزائم):

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا دنیا اور آخرت میں حاصل کرنے کے لیے ایسا اسلامی تعلیمی نظام قائم کرنا کہ جس کے امتیازی نتائج اسلامی طرز زندگی میں اس منہج پر حاصل کرنا جس کی تکمیل حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی میں کرکے دیکھائی ہے۔

Mission(مقاصد):

جامعہ ایک ایسا مثالی، عالمی ادارہ ہو جو خالص اسلامی طرز پر اسلامی علوم قرآن ، حدیث، فقہ اسلامی، اور اصول فقہ اسلامی وغیرہ کی ترقی اسلامی اور سماجی ترقی اسلامی نظریاتی بنیادوں اور صحیح عقائد کے ساتھ قیادت کرے جس سے انسانی خدمت اور سماجی ترقی اسلامی بنیادوں پر بالکل ابتداء سے اس طور پر کرکے کہ جس سے مسلم امت عالم گیر امت بن سکے۔

Aims and Objectives(اغراض واہداف):

(۱) مسلم نوجوانوں کی اس طرح رہمائی کرنا کہ وہ روحانی اور جسمانی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بالکل عمل پیرا ہوں اور ان نوجوانوں کو ایک ایسا (Platform) میدان عمل مہیا کرنا کہ جس میں صحیح طور پر اپنا تشخص باقی رکھ سکیں۔

(۲) مسلمان نوجوانوں کو اس طور پر تعلیمی اعتبار سے مسلح کرنا کہ وہ مکمل طور پر ترقی کر سکیں اور عصر حاضر کی مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔

(۳) ان نوجوانوں کو ایسا ماحول فراہم کرنا کہ جس میں وہ سماج اور ملک کی تعمیر وترقی میں مثبت کردار ادا کر سکیں۔

(۴) ایسے بامعانی تبادلہ خیال اور تعلقات دوسرے مسلم اداروں اور تنظیموں کے ساتھ قائم کرنا جس کی مدد سے ان کے ساتھ مل کر کام کرنے میں سہولت بہم پہنچے۔

(۵) قرآن وحدیث کو عام کرنے کے لیے ضروری اور اہم اقدامات کرنا کہ جس سے سماج میں نیکی کو عام اور منکرات کو روکا جا سکے۔

(۶) انسانی تعمیر وترقی کے اسلامی پیرائے میں بامعانی کوشش کرنا کہ جس سے نوجوانوں کا دماغ عالم گیر اور وسیع اور ان کی سوچ ضرورت اور حالات کے مطابق ہو کہ جس سے دنیا کی تعمیرِ نو ہو سکے۔

(۷) صحت اور حفظان صحت کے لیے مختلف قسم کے کیمپ کے انعقاد کے لیے رقوم مہیا کرنا اور انگریزی دواؤں کے ساتھ ساتھ دوسری متبادل دواؤں کا انتظام کرنا تا کہ نئی پیش آنے والی بیماروں کا علاج کیا جا سکے۔

(۸) دوسری رجسٹرڈ تنظیموں کے ساتھ مل کر کام کرنا تا کہ اپنے ان اہم مقاصد کو حاصل کیا جا سکے۔

Policy (حکمتِ عملی، طرزِ عمل):

(۱) ہم نے اپنا یہ ذہن بنایا ہے کہ ہم اپنے دینی اور عصری اداروں میں قابل تجربہ کار اور ایسے مخصوص افراد کا تقرر کریں کہ جن کا ذہن خالص تعلیمی ہوں۔

(۲) ہم نے اپنے آپ کو دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی مکمل کفالت کا پابند بنانا ہے، جیسے ان کی کتابوں، کپڑوں، رہن سہن، جیب خرچ، علاج ومعالجہ اور ان کے سفر کے خرچوں کا انتظام کرنا۔

(۳) ہم نے اپنے آپ کو ہر طرح کی ممکنہ سہولیات مہیا کرانے کا مکلّف بنایا ہے جیسے عملے کی معقول تنخواہ، رہنے کے گھروں کا انتظام، وظیفہ اور ضرورت پڑنے پر بغیر سود کے کے قرض کا انتظام کرنا۔

(۴) ہم نے اپنے احاطے میں عصر حاضر کے ضرورتوں کے مطابق تمام چیزوں جیسے صاف ستھری درس گاہیں جدید طرز کی تجربہ گاہ کتب خانے، عمومی ضرورت کی چیزیں جیسے بیت الخلا، غسل خانے وغیرہ، آلودگی سے پاک باغات، کھیل کود کے میدان، جم خانے، مواسلاتی ضرورتیں، بینک، بڑی بڑی دوکانیں، لڑکوں اور لڑکیوں کے الگ الگ دار الاقامہ اور دوسری اہم ضرورتوں کا معقول نظام کیا ہے۔

(۵) ہم حتی المقدور یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہم طلباء کے لیے صاف شفاف اور ذمہ دارانہ اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ذہن سازی کریں تا کہ ہمارے طلباء ہر اعتبار سے غیر جانب دار اور وسیع الظرف بن سکیں، تا کہ ان میں کسی طرح تعصب ہر گز نہ ہو۔

(٦) ہم بہت سارے ذمہ دار رجسٹرڈ اداروں اور تجارتی اداروں کے ساتھ روابط رکھے ہیں، تا کہ ہم طلباء اور عملے کے بچوں کے لیے روزگار کا انتظام کر سکیں۔

Achievments (کامیابیاں):

ہمارے ملک ہندوستان نے دنیا کے بہت سارے ظاہری بُحرانوں کوحل کرنے میں مدد کی ہے۔ہم نے اپنے تاریخی سائنسی مواد جو کہ ہماری مقامی زبانوں جیسے عربی، فارسی اوراردو میں موجود ہے کہ ذریعہ کہ جس کی قابلیت،متعلقہ ضرورتیں اورافراد ہمارے پاس موجود ہیں ایک بڑے طبی، تحقیقی مرکز کا کام شروع کیا ہے جس کے ذریعے ہم ملک اورقوم کی تعمیر وترقی میں برابر کے حصہ دار بن سکیں۔

Activities (سرگرمیاں):

(۱) مدارس، مکاتب، عصری علوم کے اداروں، سکولوں، کالجوں، طبی مراکز، اور فارمیسی کالجوں کا تمام ضرورت مند علاقوں میں قائم کرنا۔

(۲) مختلف قسم کے کانفرس، ڈبیٹ اور تعلیمی ڈبیٹس تعلیمی ترقی کے لیے منعقد کرانا۔

(۳) مختلف قسم کی چھوٹی، بڑی کتابوں، رسالوں اور پمفلیٹ کی تقسیم اور مختلف تعلیمی سیمینار منعقد کرانا۔

(۴) مسلمان نوجوانوں کو مناسب دست کاری جیسے، چشمہ بنانے، گھڑی بنانے، جلد سازی اورٹیلرنگ وغیرہ سکھانے کا انتظام کرنا تا کہ یہ نوجوان اپنی روزی روٹی میں کس کے محتاج نہ ہو، اور تا کہ مسلم نوجوان معاشی اعتبار سے بالکل خود کفیل ہو سکے۔

Religious Activities (اسلامی سرگرمیاں):

(۱) ہندوستان کے طول وعرض میں غریب علاقوں میں مسجد، عبادت خانوں، مکاتب، اسکول، دست کاری کے مراکز، کالج اور دواخانے تعمیر کرانا۔

(۲) رمضان کے مبارک مہینے میں روزہ داروں کے لیے سحری اور افطاری کا انتظام کرنا۔

(۳) مختلف قسم کے افراد اور اداروں کو یتیموں کی تعلیم اور کفالت کی ذمہ داری کی ترغیب دینا۔

(۴) غریب مسلمانوں، یتیموں، بیوہ عورتوں اور دوسرے ضرورت مند افراد کے درمیان زکوٰۃ اور دوسرے صدقات کو مناسب اور باعزت طریقے سے تقسیم کرنا۔

(۵) حج اور عمرہ کرنے والے افراد کی مدد کرنا اور ان کے حج اور عمرہ کا نظم کرنا۔

(۶) غریب لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا نظم کرنا اور اجتماعی نکاحوں میں مسلم نوجوان لڑکے لڑکیوں کو نکاح مکمل اخراجات مہیا کرانا۔

Humanitarin services (عام انسانی خدمت):

(۱) مختلف قسم کے ہنگامی حالات جیسے، زلزلہ، طوفان، حادثات اور فسادات میں بلاتفریق مذہب وملت اور رنگ ونسل معاشرہ کے تمام افراد کی ہر ممکن امداد کرنا، ہم اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے ہیں۔

(۲) مختلف راہی علاقوں خاص کر دور دراز علاقوں میں جہاں دوسرے رفاعی ادارے نہ پہنچ سکے ہوں، ان علاقوں میں پینے کے پانی کا کنواں اور ہنڈ پمپ اور بورویل کے ذریعہ پانی کا انتظام کرنا بھی ہماری ذمہ داریوں میں داخل ہے۔

خدمات اور منصوبے:

☆ جامعہ کا ہمیشہ سے مطمح نظر رہا ہے کہ قوم وملت کو تعلیم کے میدان میں اونچا اٹھایا جائے، اور جگہ جگہ تعلیم ومرکز صحت کا نظم کیا جائے۔

☆ طالبان علوم نبوت کا معیار علم وعمل بڑھایا جائے۔

☆ بنیادی تعلیم کے ساتھ فنون معاش سے بھی آراستہ کیا جائے، اس لیے کہ محتاجگی بعض

مرتبہ مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کردیتی ہے۔

☆ عوام کے لیے سوشل ریلیف ساز وسامان مہیا کرائے جائیں۔

☆ جامعہ نے مذکورہ بالا پہلوؤں سے قوم وملت کی نمایاں خدمت انجام دی ہے، ذیل میں موجودہ سال کی کچھ نمایاں کامیابیوں کا ایک خاکے میں روشنی ڈالی جارہی ہے۔

جامعہ اکل کوا کے تعلیمی شعبۂ جات کی کارکردگی بہ یک نظر

شعبہ جات	سن تأسیس	موجودہ تعداد	امسال فارغ ہونے والوں کی تعداد	فارغ شدہ ۲۰۱۱ تک
شعبۂ دینیات مع شاخیں	1979	3940+18714	825+3119	8204+40523
شعبۂ حفظ (دارالقرآن) مع شاخیں	1983	3138+4567	449+686	5339+6774
شعبۂ عالمیت مع شاخیں	1982	2172+2001	224+38	2392+1502
شعبۂ افتاء	2008	08	08	36
آئی ٹی آئی مع برانچ	1993	288+279	183+204	1640+460
احمد غریب یونانی میڈیکل کالج	1996	249	46	384
جامعہ پالی ٹیکنیک کالج	2001	946	145	816
علی الانہ ڈی فارمیسی کالج	2003	203	57	318
علی الانہ ڈگری فارمیسی کالج	2006	199	193	89
پرائمری اسکول (اردو میڈیم)	1998	225	54	452
ہائی اسکول جونیر کالج	1997	629	508	1224
بی ایڈ کالج	2004	80	63	587
ڈی ایڈ کالج (مراٹھی، اردو میڈیم)	2003	300	235	771
انجینئرنگ کالج	2010	89	-	2nd year

پرائمری اسکول (انگلش میڈیم)	2004	236	-	8th Std.
تعداد	☆	151528	21823	186511

گرانڈ ٹوٹل: 1,51,528 طلبہ (جامعہ کے زیر سایہ تعلیم حاصل کررہے ہیں، جس میں سے 38,263 قیام وطعام کے ساتھ 12702 احاطہ جامعہ میں اور 25561 شاخوں میں)اور مکاتب 113265۔

تعلیمی شعبے

انسان جسم وروح کا مجموعہ ہے، جسم کی نشو ونما اور پرداخت کا انحصار غذاؤں پر ہے اور روح کی بالیدگی اور تر وتازگی کا انحصار علم پر ہے، علم کے بغیر انسان کی روح مردہ، انسان کا دل پژمردہ، انسان کی زندگی بے کیف اور انسان کی تگ ودو بے سرور ہے۔ اسی علم کے ذریعے انسان اپنے خالق و مالک کو پہچانتا ہے، اور مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہے، انسان کے بدن اور روح سے متعلق تمام علوم کے زیور سے آراستگی، انسان کو ترقی کی شاہ راہ پر گام زن رکھتی ہے، البتہ بدن مادی ہے، عناصر اربعہ، آگ، پانی، ہوا، مٹی، سے تعمیر شدہ ہے، اس لیے اس کا علم بھی مادی اور عناصر اربعہ کی طرح فانی ہے، اور روح لطیف ہے، اس سے متعلق علوم، علم وحی اور علم آسمانی ہیں، اس لیے روحانی علم اصل، مقصود، متبوع ہے، مادی علم وسیلۂ اصل، تابع، اور خادم ہے۔

جامعہ اکل کوا کے تعلیمی شعبے دونوں طرح کے ہیں، روحانی علوم کے شعبے: شعبۂ تحفیظ القرآن، شعبۂ عربی (تفسیر وحدیث وفقہ) اور شعبۂ دینیات ہیں جو اصل، مخدوم، متبوع اور مقصود ہیں، اور مادی علوم کے شعبے، طبیہ کالج، فارمیسی کالج، آئی ٹی آئی، انجینئرنگ

کالج، اوراسکول وغیرہ ہیں جو وسیلۂ اصل، تابع اور خادم ہیں۔

اسی طرح جامعہ اکل کوا میں روحانی تعلیمی شعبے اصل اور مخدوم کے طور پر اور مادی عصری تعلیمی شعبے وسیلہ اور خادم کے طور پر، الحمدللہ! بڑی آب وتاب کے ساتھ چل رہے ہیں۔

جامعہ دونوں علوم کے شعبوں کو اپنے اپنے مقام پر رکھ کر دونوں کے ضروری لوازمات بلڈنگ فرنیچر، کتابیں، ادوات تعلیم اور اساتذہ کا نظم کرتا ہے تا کہ نونہالانِ امت کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر کے میدانِ عمل میں اتارا جاسکے۔

شعبۂ دینیات

پرائمری ایجوکیشن یا ابتدائی تعلیم بچوں اور نئی پود کے لیے جتنی پودوں کی افزائش و نشو ونما کے لیے پانی، دھوپ اور ہوا۔ آج کے بچے کل کی نئی نسل بننے جا رہے ہیں، بچوں کو تعلیم یافتہ بنانا، اگلی نسل کو تعلیم یافتہ بنانا ہے۔ بچوں کو پڑھانا لکھانا اوران میں مضمون سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا، اسی لیے ضروری ہے کہ آنے والی نسل کوری اور جاہل نہ رہے۔

جامعہ اکل کوا بنیادی تعلیم پر بچوں کو لگانا بے حد ضروری سمجھتا ہے، ہماری قوم کے لیے بنیادی دینی تعلیم اور شعبہ دینیات ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جامعہ نے جب ابتدا میں شعبہ دینیات کا آغاز ۱۹۸۰ء میں کیا تھا، تو صرف ۶/ بچے تھے۔ اب الحمدللہ! شعبۂ دینیات میں ۳۵۰۰/ بچے اور ۲۷/ اساتذہ ہیں۔ یہ بچے ملک کے دورافتادہ علاقوں سے آئے ہیں، جن کے والدین بھی دینی تعلیم سے اتنے نابلد ہیں کہ وہ دینی تعلیم کے حروف تہجی تک سے ناآشنا ہوتے ہیں، توان کے بچوں کا کیا حال ہوگا۔ اس لیے نہایت جانفشانی کے ساتھ جامعہ کے اساتذہ بچوں میں لکھنے پڑھنے اور ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں پوری توجہ صرف کرتے ہیں۔ شعبہ دینیات ان بچوں کے لیے ۳/ سالہ کورس رکھتا ہے

جس میں بچوں کے اندر اتنی استعداد پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ قرآن کریم ناظرہ تجوید اور صحتِ حروف کے ساتھ پوری روانی سے پڑھ لیتے ہیں، طلبہ کی وافر تعداد تعلیم کی کامیابی کی صاف دلیل ہے، جو دن بدن بڑھتی ہی رہتی ہے۔

نصابِ تعلیم شعبۂ دینیات

سال اول	اشاعتی احسن القواعد، بعدہٗ پارہ عم اشاعتی اردو قاعدہ دینی تعلیم کا رسالہ نمبر۱ مع تحریر تعلیم الاسلام نمبر۱ نورانی قاعدہ چہل حدیث مراٹھی، علم بالقلم، انگریزی	اول دوم کلمہ مع صحت و ترجمہ، سوم چہارم پنجم ششم کلمات، ایمان مجمل و مفصل مع صحت، کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا، دعوت کھانے اور دودھ پینے کی دعاء سونے سے پہلے اور سوکر اٹھنے کی دعائیں، مسجد میں دخول و خروج اور اذان و نماز کے بعد کی دعاء۔
سال دوم	قرآن شریف پارہ نمبر۱ تا پارہ نمبر۱۲ مکمل دینی تعلیم کا رسالہ نمبر۲، ۳، ۴ تعلیم الاسلام کا حصہ نمبر۲ اردو زبان کی پہلی دوسری مع تحریر صحت و تجوید، مراٹھی، حساب، انگریزی	آدابِ تلاوت کلام پاک، کھانے اور سونے کی سنتیں، نمازوں کی رکعتیں، نماز کی جملہ دعائیں، کپڑا پہننے، نیز چاند دیکھنے کی دعائیں، فرائض وضو، سنن وضو، مکروہات وضو، مستحبات وضو، نواقض وضو، اذان و نماز کی عملی مشق، چہل ربنا مع صحت و ترجمہ، اسمائے حسنٰی۔
سال سوم	قرآن شریف پارہ نمبر۱۳ تا پارہ نمبر۳۰ مکمل دینی تعلیم کا رسالہ نمبر۵، ۶، ۷ تعلیم الاسلام کا حصہ نمبر۳، ۴ اردو زبان کی تیسری مع تحریر صحت و تجوید، مراٹھی، حساب، انگریزی	فرائض نماز، واجبات نماز، سنن نماز، مکروہات نماز، مستحبات نماز، فرائض غسل، سنن غسل، نماز جنازہ کی مکمل دعائیں، تیمّم کا طریقہ، چہل ربنا مع صحت و ترجمہ، اسمائے حسنٰی۔

شعبۂ تحفیظ القرآن

جامعہ کے ممتاز ترین شعبۂ تحفیظ القرآن کی بنیاد ۱۹۸۳ء ڈالی گئی، جس میں فی الحال 3138+4567 طلبہ حفظ قرآن کی دولت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ قیام سے لے کر اب تک جامعہ کے اس ممتاز ترین شعبے سے حفظ قرآن کی تکمیل کرنے والے حفاظ کی تعداد 5339+6774 تک پہونچ گئی ہے، جو لاریب ایک بڑی تعداد ہے۔

ظاہر سی بات ہے کہ قرآن کریم جیسی اہم ترین کتاب کو لفظ بہ لفظ رٹنا، یاد کرنا اور ترتیب وار آیات کو بلا کسی نقطے اور زیر و زبر کی تبدیلی کے، جیسا آسمان سے اترا تھا ویسا ہی زبانی محفوظ کرنا ایک عظیم اور مہتم بالشان کام ہے، جسے ہمارے طلبہ انجام دیتے ہیں، اساتذہ کی نگرانی میں صبح سے شام تک ان کا یہی وظیفہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم زبانی یاد کر ڈالیں۔ تھکنے اور اکتاہٹ سے بچنے کے لیے نماز وتراویح سے متعلق ضروری مسائل بھی الگ وقت میں سکھائے جاتے ہیں، جنہیں ہمارے حفظ کے اساتذہ بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں، تاکہ طلبہ کا وقت بھی برباد نہ جائے اور حافظ ہونے کے بعد تعلیم جاری نہ رکھنے کی صورت میں انہیں امامت ونماز سے متعلق ضروری شرعی مسائل معلوم ہوں۔ اسی طرح ہمارے یہاں حفظ کی ذمہ داری سنبھالنے والے اساتذہ کی کل تعداد ۱۱۹ رہے جو اپنے کام میں نہایت ماہر اور تجربہ کار ہیں یا تجربہ کار اساتذہ سے مشورہ لیتے رہتے ہیں۔

شعبۂ حفظ کا نظامِ تعلیم:

قبل از فجر ایک گھنٹہ با قاعدہ تعلیم، بعد نماز فجر چار گھنٹے تعلیم، اور بعد نمازِ ظہر سوا تین گھنٹے تعلیم۔ مغرب تا عشاء، اور بعد نماز عشاء پون گھنٹہ تعلیم ہوتی ہے۔

طریقۂ تعلیم:

شعبۂ حفظ کے کل ۱۱۸ / درجات ہیں، جس میں ہر درجہ میں ۲۲ یا ۲۳ / طلبہ رہتے ہیں، قبل از فجر طلبہ کا سبق سنا جاتا ہے، جس میں پختگیٔ حفظ اور صحتِ تجوید ضروری ہے، صبح کی تعلیم میں سبق پارہ نصف تا پون پارہ سنا جاتا ہے، دو پہر بعد نمازِ ظہر، تمام طلبہ کا دور سنا جاتا ہے۔ پاروں کے حساب سے زیادہ پاروں والے کا کم از کم ایک پارہ سنا جاتا ہے۔

بعد نماز مغرب اکثر بچے سبق یاد کرتے ہیں اور بعض طلبہ سبق سنا دیتے ہیں، بعد عشاء دور کا سلسلہ ہوتا ہے، جس میں تمام اساتذہ اپنے اپنے درجوں میں موجود رہتے ہیں، طلبہ حفظ کے لیے تجوید بھی ضروری ہے، جس کے لیے قراء حضرات نصاب تجوید کے مطابق قواعد یاد کراتے ہیں۔ اور حدر، ترتیل، تدویر کی مشق کراتے ہیں اور ساتھ طلبہ حفظ کے لیے لیے اردو بھی ضروری ہے، لہٰذا ان کے لیے نصف گھنٹہ طے کیا گیا ہے، جس میں طلبہ کی صلاحیت کے مطابق نصاب ہے۔

حفظ مکمل کرنے والے طلبہ کے لیے پختگی حفظ کے لیے مختلف تدبیر کی جاتی ہیں، تاکہ کمزوری نہ رہے، مثلاً ششماہی بعد سے مسابقات کا سلسلہ رہتا ہے، ہر پندرہ دن کے بعد پانچ پاروں کے اضافہ کے ساتھ مسابقہ ہوتا ہے، یعنی کل ۶ / مسابقات اساتذہ کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح نوافل میں بعد نمازِ مغرب ہر حافظ ہونے والے طالب علم کو یومیہ (ہر دن) ایک پارہ سنانا ضروری ہے، اس کے علاوہ ایک امتحان جید جدا کا ہوتا ہے، جس میں دیگر مدارس کے تجربہ کار اساتذۂ کرام کو مدعو کیا جاتا ہے اور پھر کامیاب طلبہ کو رقم کی شکل میں کافی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ اس طرح الحمد للہ جامعہ سے ہر سال صوبہ مہاراشٹر، ایم پی، آندھرا پردیش اور کوچ بہار میں تقریباً پانچ سو حفاظِ کرام تراویح پڑھانے جاتے ہیں۔

مجوزہ نصاب (تجوید) برائے درجاتِ حفظ

درجات	کتاب	ترتیل	تدویر
سال اول	مخارج حروف، قواعد نون تنوین ومیم ساکن	سورۃ الضحیٰ تا الناس	پارۂ عم مکمل
سال دوم	مخارف والقابِ حروف، قواعدِ نون تنوین ومیم ساکن مدو تفخیم وترقیق	مختلف سات رکوعات (حفظ)	پارہ ۲۹ر وار مکمل
سال سوم	اصول التجوید (۱)	،،	پارہ ۲ر و ۳ر مکمل
سال چہارم	صفات، وقف واجرائے قواعد	،،	پارہ ۲۶ر الحجرات تا پارہ ۲۸ر مکمل

شعبۂ عالمیت

''شعبۂ تحفیظ القرآن'' کی طرح جامعہ کا ایک شعبہ ''شعبۂ عالمیت'' بھی ہے جو ایک نہایت فعال، مستحکم اور استعداد ساز شعبہ ہے، اس شعبۂ میں عربی میڈیم کے ذریعہ طالب علم کو ۸ر سالہ نصاب کے ذریعہ قرآن فہمی، اور حدیث فہمی کی استعداد بہم پہونچائی جاتی ہے، جس سے طالب علم ایک عالم دین بن کر میدانِ عمل میں نکل کر راہِ ہدایت پر گام زن بنانے کی پیہم سعی محمود کرتا ہے۔

اس شعبۂ کا قیام ۱۹۸۲ء میں عمل میں آیا۔ فی الحال 2172 طلبہ اس شعبۂ میں زیرِ تعلیم ہیں، جامعہ کی ہمیشہ سے نظر تمام شعبوں میں بالعموم اور شعبۂ عالمیت میں بالخصوص کمیت کے بجائے کیفیت پر رہی ہے، تا کہ جید الاستعداد طلبہ فارغ التحصیل ہو کر جس میدان میں

جائیں، نام سے زیادہ کام کے بنیں۔ الحمد للہ! اس شعبۂ سے فارغ ہو کر ملک ہی نہیں بیرون ملک میں بھی جا کر جامعہ کے فضلا دین حنیف کی اور اور قرآن وحدیث کی بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔اور کیوں نہ ہو جب کہ جامعہ شعبۂ عالمیت کے لیے ہر سہولت دیتا ہے، کتابوں کی فراہمی میں جامعہ کی کشادہ دلی دیکھیے کہ اپنے کتب خانہ میں کم بیش ایک لاکھ پندرہ ہزار قدیم وجدید کتابیں مہیا کی ہیں، جن سے طلبہ بحسن وخوبی استفادہ کر کے اپنی صلاحیت سازی کا عمل مثبت سمت میں جاری رکھ سکتے ہیں۔

نصابِ شعبۂ عالمیت

درجۂ اردو

شمار	اسمائے کتب	مقدار
۱	تجوید مشق/تعلیم التجوید	مکمل
۲	تاریخ الاسلام حصہ اوّل ودوم	مکمل
۳	اردو زبان کی چوتھی	مکمل
۴	رسولِ عربی بعدہ خلافت راشدہ حصہ اوّل	مکمل
۵	نقل واملاء	مختلف کتابوں سے مشق
۶	بہشتی ثمر حصہ اوّل	مکمل
۷	انگریزی سمپل اور حساب	مکمل
۸	ناظرہ قرآن شریف	پارہ ۲۱ تا پارہ ۳۰

درجۂ فارسی

شمار	اسمائے کتب	مقدار
۱	ناظرہ قرآن مجید	پارہ ۲۱ تا ۳۰
۲	آمدن سی لفظی/گلزار/ تیسیر المبتدی	مکمل
۳	چہل سبق /کریما	مکمل
۴	اسلام کیا ہے؟/سیرت خاتم الانبیاء	مکمل
۵	معلم الصرف/دروس اللغۃ العربیۃ	حصہ اول مکمل/۱۰ اسبق
۶	اردواملانویسی	مختلف کتب سے مشق
۷	تجوید مشق/تسہیل التجوید	/ مکمل
۸	سمپل انگلش	مکمل

درجۂ عربی اول

شمار	اسمائے کتب	مقدار
۱	علم الصرف--حصہ ۱/ ۲ / ۳	مکمل
۲	علم النحو/نحو قاسمی	مکمل / مکمل
۳	قصص النبیین -حصہ ۱ / ۲	مکمل
۴	مالابدمنہ	مکمل
۵	تاریخ اسلام/النحو الواضح -حصہ ۱	مکمل / مکمل
۶	مفتاح العربیۃ حصہ ۱،۲	مکمل

۷	JIIU Easy English I / جنرل نالج، ریاضی،قوانین ہندسائنس جغرافیہ۔	مکمل
۸	تجویدمشق / جمال القرآن	/ مکمل

درجۂ عربی دوم

شمار	اسمائے کتب	مقدار
۱	نورالایضاح	مکمل
۲	ہدایۃ النحو ،/مفیدالطالبین	مکمل / مکمل
۳	قصص النبیین حصہ ۳، بعدترجمہ	مکمل/ پارہ ۳۰
۴	النحو الواضح حصہ ۲، بعدہ ترجمۃ القرآن الکریم	مکمل پارہ۲۹
۵	علم الصیغہ/ خاصیات ابواب/	مکمل / مکمل
۶	تجویدمشق / فوائدمکیہ	/ مکمل
۷	JIIU Easy English II / جنرل نالج ،ریاضی،قوانین ہندسائنس جغرافیہ۔	مکمل
۸	معلم الانشاء–حصہ اول	مکمل
۹	تاریخ خلفاءراشدین	مکمل

درجۂ سوم

شمار	اسمائے کتب	مقدار
۱	ترجمۃ القرآن الکریم	ازسورۂ یونس تا سورۂ فرقان

۲	المختصرللقدوری	ازکتاب البیوع تا کتاب الایمان
۳	آسان منطق	مکمل
۴	کافیہ	مکمل
۵	معلم الانشاء--حصہ۲ /نفحۃ العرب	تمرین ۶ ۔۷ مکمل منتخب ابواب
۶	اصول الشاشی	مکمل
۷	JIIU Easy English III/جنرل نالج، ریاضی، قوانین ہند سائنس جغرافیہ۔	مکمل
۸	تجوید مشق / خلاصۃ البیان	/مکمل
۹	اختلاف امت اور صراط مستقیم	

درجۂ چہارم

شمار	اسمائے کتب	مقدار
۱	ترجمۃ القرآن الکریم	ازسورۂ روم تاپ ۳۰
۲	شرح وقایہ جلد اول / ثانی	مکمل/تا کتاب الطلاق
۳	مختارات اول / مقامات حریری	مکمل/تا المقامۃ الخامۃ)
۴	شرح ابن عقیل	
۵	ریاض الصالحین--نصف اول	مکمل
۶	نورالانوار	ازاول تاباب القیاس

۷	JIIU Easy English IV/ جنرل نالج، ریاضی، قوانین ہند سائنس جغرافیہ۔	مکمل
۸	تجوید مشق (المقدمۃ الجزریۃ وجامع الوقف	/ مکمل
۹	مذکرۂ عقائد	

درجۂ پنجم

شمار	اسمائے کتب	مقدار
۱	ہدایہ اولین اول	مکمل
۲	ہدایہ اولین ثانی	مکمل
۳	ترجمۃ القرآن الکریم	پ ۱ تا پ ۱۰
۴	الحسامی/ العقیدۃ الطحاویۃ	باب القیاس تا آخر
۵	سفینۃ البلغاء	مکمل
۶	مختارات جلد۲/ دیوان المتنبی	تا صفحہ ۸۰/ تا صفحہ ۴۰
۷	تجوید مشق / الشاطبیۃ	مکمل
۸	ریاض الصالحین- نصف ثانی	مکمل
۹	علوم القرآن/	ہفتہ میں ایک دن

درجۂ ششم

شمار	اسمائے کتب	مقدار
۱	مشکوٰۃ المصابیح-جلد اول	مکمل

۲	مشکوٰۃ المصابیح-جلد ثانی	مکمل
۳	التفسیر للجلالینؒ	اول ۱۰ پارے
۴	التفسیر للجلالینؒ	دوم ۱۰ پارے
۵	التفسیر للجلالینؒ	سوم ۱۰ پارے
۶	ہدایہ آخرین اول	مکمل
۷	ہدایہ آخرین ثانی	مکمل
۸	شرح نخبۃ الفکر (ہفتہ میں دو دن)	مکمل
۹	السراجی و معین الفرائض	مکمل / مکمل
۱۰	الفوز الکبیر	مکمل
۱۱	العقیدۃ الواسطیہ (ہفتہ میں ایک دن)	
۱۲	الغزو الفکری، جدید معیشت و تجارت، تعارف فرق باطلہ	ہفتہ میں ایک دن

درجۂ ہفتم

شمار	اسمائے کتب	مقدار
۱	التفسیر للبیضاویؒ	مکمل
۲	الصحیح للبخاریؒ	مکمل
۳	الصحیح للمسلمؒ	مکمل
۴	الجامع للترمذیؒ	مکمل
۵	سنن ابی داؤدؒ	مکمل

٦	سنن النسائیؒ	مکمل
٧	طحاوی شریف	مکمل
٨	ابن ماجہؒ	مکمل
٩	مؤطین للامامین مالکؒ و محمدؒ	مکمل
١٠	تعارف ادیان باطلہ	ہفتہ میں ایک دن

شعبۂ افتاء

جامعہ نے گذشتہ سال سے شعبۂ افتا کا بھی آغاز کیا ہے، جس سے فارغین طلبہ جہاں مستفیض ہورہے ہیں، وہیں بے شمار فتاوی ملک وبیرون ملک کے مختلف حصوں میں جاکر ان کے آپسی اختلافات کا شرعی حل پیش کرتے ہیں۔ جامعہ کے کیمپس میں مختلف عصری کالجز بھی چلتے ہیں، جن کے مختلف مسائل اسی شعبۂ افتاء سے حل ہوتے ہیں۔

نیز مستشرقین، یہود ونصاری اور مغرب زدہ ذہنیت کی طرف سے اسلام پر آئے دن نت نئے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی ہی رہتی ہے، جس کا دندان شکن جواب دینا، انہیں فضلائے مدارس وجامعات کا کام ہے، جو اپنی علمی لیاقتوں اور دینی صلاحیتوں کے بل بوتے نمایاں کام انجام دینے کا عزم لیے میدانِ عمل میں جاتے ہیں، شعبۂ افتا کا قیام انہیں بنیادی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے عمل میں لایا گیا ہے۔

شعبۂ افتاء کا نصاب

(١) الدر المختار (کتاب النکاح والطلاق، کتاب الوقف و القضاء)

(٢) الاشباہ والنظائر لابن النجیم

(۳) شرح عقود رسم المفتی

(۴) قواعد الفقه

(۵) السراجی فی المیراث

نیز ششماہی تک عقائد وعبادات سے متعلق اہم و بنیادی مسائل اور بعد از ششماہی معاملات سے متعلق جدید مسائل کی تمرین بھی کروائی جاتی ہے۔

شعبۂ انگریزی زبان وادب

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، اسلام اور مسلمانوں کی خدمات کے حوالہ سے کسی بھی تعارف کا محتاج نہیں۔ جامعہ نے اپنی مختصر سی مدت میں اسلام کا صحیح پیغام صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی بحسن وخوبی پہنچایا ہے۔ الحمدللہ! اب جامعہ نے فارغین طلبہ کے لیے مخصوص شعبوں کے قیام کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ان ہی شعبہ جات میں سے ایک شعبہ ''شعبۂ انگریزی زبان وادب'' بھی ہے، جس سے ان فارغین طلبہ کو انگریزی زبان وادب اور عصر حاضر کے جدید آلات سے مسلح کیا جاتا ہے۔

اس شعبہ کا قیام کا مقصد محض داعیانِ اسلام، اسلام اور مسلمانوں کا دفاع اور اسلام مخالف عناصر کو دندانِ شکن جواب دینے؛ نیز اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو انگریزی زبان بولنے والے لوگوں تک پہونچانا ہے۔ آپ سے اس شعبہ کی کامیابی کے لئے دعا کی پرخلوص درخواست ہے۔

شعبۂ تجوید وقراءت

کون نہیں جانتا کہ قرآن کریم کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر حرف کو اپنے مخرج سے ادا کر کے پڑھنا، تلاوتِ قرآن کے حسن کو بڑھا دیتا ہے، قرآن وحدیث میں تجوید کی جو اہمیت

وفضیلت ہے وہ اہل علم ودانش سے مخفی نہیں۔

اسی لیے جامعہ نے ''شعبۂ تجوید وقرأت'' پر خصوصی توجہ دی ہے، اس شعبۂ میں خصوصی مہارت حاصل کرنے کے لیے داخلے کا نظم ہے جس میں طالب علم عالمیت کے سال دوم کو کم ازکم پڑھ کر پاس کر چکا ہو، تجوید قرآن کی مسابقاتی مہم بھی اس اہمیت کی ایک کڑی ہے۔ فی الوقت جامعہ کے اس شعبۂ تجوید میں ۲۶/اساتذہ کی جاں گسل خدمات حاصل ہیں جن کی شبانہ روز محنتوں سے ۳۵۰ قرائے کرام ''سبعہ'' ۶۱۲/قراء ''حفص عربی'' سے، ۱۹۳ طلبہ حفص اردو سے اور ۲۵۸ طلبہ تجوید وتصحیح قرآن کی دولت سے فیض یاب ہو کر نکل چکے ہیں۔

طریقہ کار یہ ہے کہ شعبۂ حفظ میں داخل تمام ہی طلبہ کو تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنا لازم ہے جس کی شکل یہ بنائی گئی ہے کہ تجوید کے شعبۂ سے وابستہ اساتذۂ کرام کی ایک جماعت شعبۂ تحفیظ القرآن کے طلبہ کو تجوید کا درس دیتی ہے، طلبہ کی مختلف جماعتیں بنادی جاتی ہیں، جو الگ الگ گھنٹوں میں تجوید کے اساتذہ سے استفادہ کرتے ہیں، شام تک شعبۂ حفظ کے تمام طلبہ کو یکے بعد دیگرے مختلف گھنٹوں میں جا کر تجوید کا درس لینا لازمی ہے۔

شعبۂ عالمیت میں طریقہ کار یہ ہے کہ درجہ اردو سے درجہ پنجم تک کے تمام طلبہ کے لیے تجوید پڑھنا لازم ہے، جن کو تقریباً ۴۵/جماعتوں میں تقسیم کر کے صبح سے شام تک مختلف تعلیمی گھنٹوں میں تجوید کے اسباق دے جاتے ہیں۔

اسی شعبہ کی کوکھ سے مسابقات القرآن کی وہ تحریک اٹھی جس نے پورے ہندوستان کے چپے چپے میں قرآن کی تعلیم کو تجوید وصحت کے ساتھ پڑھنے کا تہلکہ مچادیا اور تمام مدارس دینیہ اور مکاتب قرآنیہ میں قرآن کو تجوید وصحت کے ساتھ پڑھنے کی ایک ایسی ہوا چلی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

تجویدوقراءت کا مجوزہ نصاب (برائے شعبۂ عالمیت)

شمار	درجات	کتب	ترتیل	تدویر	حدر
۱ ☆	عربی پنجم (منتخب طلباء)	حرز الامانی ووجہ التہانی المعروف بالشاطبیہ	پاؤ پارہ اجرائے قواعد سبعہ بصورت افراد وجمع الجمع کی تینوں قسمیں مع استشہاد باشعار الشاطبیہ		
۲ ☆	عربی پنجم (عام طلباء)	اجرائے قواعد تجوید/مشق خطبات جمعہ وعیدین	(**نوٹ**) تدویر کے نصاب سے ہی ترتیل کے ۸/ رکوعات کا انتخاب کرکے حفظ مشق کرائے جائیں۔	آموختہ گذشتہ (حفظ)	منتخب طلباء پارہ ۲۱ تا ۲۸
۳ ☆	عربی چہارم	المقدمۃ الجزریۃ (مکمل)		سورۂ یٰس، الم سجدہ، واقعہ، رحمٰن حجرات، دہر (حفظ) ۱۸/ رکوعات کہف (ناظرہ)	منتخب طلباء پارہ ۱۴...تا...۲۰
۴ ☆	عربی سوم	خلاصۃ البیان (مکمل) بعدہ معرفۃ الرسوم		۲۸/واں پارہ (مکمل) حفظ	منتخب طلباء پارہ ۸ تا ۱۳
۵ ☆	عربی دوم	فوائد مکیہ (مکمل) بعدہ جامع الوقف سبق ۶ ::: تا ::: ۱۰		۲۹/واں پارہ (مکمل) حفظ	منتخب طلباء پارہ ۳...تا...۷
۶ ☆	عربی اول	جمال القرآن (مکمل) بعدہ جامع الوقف سبق ۱ تا ۵		۳۰/واں پارہ (مکمل) حفظ	منتخب طلباء پارہ ۲۹، ۳۰، ۱، ۲
۷ ☆	فارسی ☆☆	تسہیل التجوید ☆☆	سورۂ بلد...تا... بینہ (حفظ)	سورۂ نباء...تا...بروج (حفظ)	....
۸ ☆	اردو ☆☆	تعلیم التجوید ☆☆	سورۂ ضحیٰ...تا... ناس (حفظ)	سورۂ طارق...تا...لیل (حفظ)	....

شعبۂ کمپیوٹر

کمپیوٹر زمانے کی ایک اہم ترین ضرورت بن چکی ہے، کسی زمانہ میں علم سے ناواقف لوگوں کو جاہل کہا جاتا تھا، لیکن اب کمپیوٹر سے ناواقف افراد کو جہلاء کی فہرست میں شمار کیا جانے لگا ہے، اب ذرائع ابلاغ کا ایک اہم ذریعہ انٹرنیٹ بھی بن چکا ہے۔ جس کے ذریعہ سے دین کا صحیح پیغام ساری دنیا میں پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس کے بے شمار فوائد کو دیکھتے ہوئے جامعہ نے دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے لیے پچھلے پانچ سال سے ''جامعہ کمپیوٹر ایجوکیشن سینٹر'' کے نام سے ایک مستقل شعبہ کھول رکھا ہے۔

شعبۂ تدریب المعلمین والائمہ

جامعہ اشاعت العلوم بفضلہٖ تعالیٰ صرف ایک ادارہ ہی نہیں بل کہ اب مدینۃ العلوم کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جامعہ ہذا میں جہاں تعلیم وتربیت کے دیگر عظیم شعبہ جات ہیں ایک شعبہ تدریب المعلمین کے نام سے بھی جاری وساری ہے، جس میں ملک ہندوستان کے مختلف صوبہ جات وریاستوں کے مدارسِ اسلامیہ کے فضلاء، علماء، حفاظ، قراء، منہجِ تعلیم وطریقہ، تدریس، معلوم کرکے نیز تصحیح قرآن کی غرض سے مخصوص وقت لے کر حاضر ہوتے ہیں اور اپنی اپنی لیاقت وصلاحیت کے اعتبار سے اس نصاب کی تکمیل کرتے ہیں جس پر انہیں تصدیق نامہ سے بھی نوازا جاتا ہے، الحمدللہ یہ شعبہ کثیر الفوائد ثابت ہو رہا ہے، کہ یہ معلمین اپنے اپنے اداروں اور مکاتب میں جاکر صحیح نہج اور طریقہ پر تعلیم دیتے ہیں، جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نونہالانِ اسلام صحیح تعلیم سے آراستہ ہوتے ہیں، اس شعبہ کے تحت تصحیح نورانی قاعدہ، پارۂ عم، علم بالقلم، طریقہ تدریس دینیات، حفظ وتجوید، وعالمیت، جیسے امور سکھائے جاتے ہیں، یہ سلسلہ ازشوال تا رجب جاری رہتا ہے، اور آنے والوں کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی ہے، نیز جامعہ ہذا کے فضلاء کو بھی ماہِ شوال میں کم ازکم پندرہ وز کی تدریب لازمی ہے، اس کے بعد ہی انہیں جامعہ کی شاخوں میں بحیثیت مدرس ومعلم روانہ کیا جاتا ہے۔

لائبریری

لائبریری اور کتب خانے تعلیم کی ترقی کے لیے رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی مانند ہیں۔طلبہ، اساتذہ، ریسرچ اسکالرس اور تحقیقی وتصنیفی کام کرنے والوں کے لیے کتابیں، اور کتب خانے اہم ضرورت ہیں، جن کے بغیر نہ تو تعلیمی قافلہ نشانِ منزل پاسکتا ہے، اور نہ

کاروانِ تحقیق وتصنیف اپنا تصنیفی وتحقیقی سفر مکمل کرسکتا ہے، آدمی کی خوابیدہ صلاحیتیں اگر چنگاری کی حیثیت رکھتی ہیں، تو کتب خانے اور کتابیں ہی ایسا ایندھن ہیں جو اسے شعلہ جوالہ بنا سکیں۔

اسی لیے جامعہ کے کتب خانہ میں زندگی میں پیش آمدہ، پیچیدہ وسنجیدہ مسائل کے حل کے لیے، بے شمار موضوعات پر تقریباً ایک لاکھ پندرہ ہزار کتابوں کا بیش قیمت ذخیرہ موجود ہے، جو طلبہ واساتذہ کی تعلیمی وتصنیفی پیاس بجھانے کے لیے ایک معتد بہ اور وافر ذخیرہ ہے، حوالہ جاتی کتابوں اور نصاب سے متعلق مضامین پر مشتمل کتابوں کا قابلِ قدر انتخاب، ماہرینِ تعلیم کے مثبت تعاون سے روبہ عمل آیا ہے، جن کی تعداد کو پوری مقدار کا ۴۵ رفیصد کہا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی بھی علمی، عملی، جانی، مالی تعاون جامعہ کے کسی بھی شعبہ کا، دراصل اپنا تعاون اور اپنی آخرت سازی کی تیاری کا تیز رفتار مخلصانہ قدم ہے۔

جامعہ کا تربیتی نظام

اس میں کوئی شک نہیں جامعہ اکل کوا اور جامعہ کے علاوہ تمام مدارس اسلامیہ جہاں ایک طرف طالبان علوم نبوت کو زیورِ علم سے آراستہ کر رہے ہیں، وہیں دوسری طرف انہیں زیورِ عمل واخلاق سے مزین کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، چنانچہ یہاں اسلامی اقدار کی حفاظت، دین واخلاق کی نشونما، مذہبی روایات وثقافت کی تربیت، اور ملک و بیرون ملک میں اسلامی تشخص کی بقاء انہی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

ان مدارس کے نظامِ تربیت کا مقصد ''اچھا انسان'' تیار کرنا ہے، جو دنیا کو انسانیت اور ہمدردی ومساوات کا پیغام دے، یہی وہ امتیازی مقصد ہے جو دنیا کے کسی بھی

تربیتی نظام میں داخل نہیں ہے۔

دنیا میں اور بھی بہت سے نظامہائے تربیت قائم ہیں لیکن ان کا مقصد اچھا شہری بنانا تو مگر اچھا انسان نہیں، جو ایک سطحی بات ہے۔ اس کے بالمقابل ان مدارس اسلامیہ کا مقصد بین الاقوامی اور عالمی سطح پر اچھے کردار و اخلاق والا انسان دنیا کو فراہم کرنا ہے۔

چناں چہ بہت دور نہیں، اگر آپ ماضی قریب پر نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے انہی مدارس کے بوریہ نشین اور خوشہ چیں فضلاء کرام میں کہیں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فیض و حکمت سے امت کو سیراب کر رہے ہیں، تو کہیں مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی علیہ الرحمہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو اندرونی و بیرونی ، عالم اسلام پر منڈلاتے خطرات سے آگاہ کر رہے ہیں، اور ان حالات میں مسلمانوں کے لیے نقوشِ راہ کو متعین فرما رہے ہیں، اور زمانۂ حال میں حضرت مولانا وستانوی حفظہ اللہ قرآن کریم کی نمایاں ترین خدمات انجام دیتے ہوئے قوم کو قرآن کریم سے وابستہ کرنے میں رات دن مصروف دکھائی دیتے ہیں۔

عصری تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے تربیتی نظام

اب ہم بات کرتے ہیں ان طلبہ کی جو احاطۂ جامعہ اور فروعات جامعہ میں عصری تعلیم سے منسلک ہیں۔ جامعہ کی سرپرستی میں عصری علوم کے تقریباً ''۲۵'' کالجز قائم ہیں، اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کی تعداد تقریباً چھ ہزار (٦٠٠٠) ہے۔

قوم کے ان نونہالوں کو احاطۂ جامعہ میں جو دینی ماحول فراہم کیا گیا، اسے بھی قدرے تفصیل سے ملاحظہ فرمائیے:

طالبات کے لیے علیحدہ محفوظ قیام گاہ (لیڈیز ہوسٹل) ہے، کچھ ذمہ دار خواتین کی

نگرانی میں ان کی شب وروز کی ضروریات انہیں وہیں مہیا کی جاتی ہیں، مزید یہ کہ بعض ذمہ دار خواتین اس بات پر مامور ہیں کہ ان کے درمیان فارغ اوقات میں تعلیمی حلقے لگوا کر کتابی تعلیم کرائیں اور بنیادی دینی تعلیمات کی عملی مشق بھی کرائیں۔

اور جہاں تک تعلق ہے طلبہ کا تو الحمدللہ ان کے لیے اس سے زیادہ وسیع تربیت کا میدان موجود ہے، ہر بوائز ہوسٹل (Boys Hostel) میں ایک جماعت خانہ بنایا گیا، جہاں ان کی نماز باجماعات کا اہتمام وانتظام ہے، ان میں دعوت وتبلیغ کی لائن سے پوری طرح فکر کی جاتی ہے۔ جامعہ کے مؤقر اساتذہ (قاری طیب اور مفتی اشفاق صاحبان) اس دعوتی وتبلیغی کام کے ذمہ دار ہیں، ہفتہ واری چھٹی کے دن ۲۴ر گھنٹے کی جماعتیں بکثرت نکالی جاتی ہیں۔ نیز دیگر دعوتی سرگرمیاں ومعمولات، مثلاً کتابی تعلیم، گشت ومشورہ اور علاقائی جوڑ وغیرہ میں بھی طلبہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیتے ہیں، اہم بات یہ ہے کہ انہی کالجوں کے نصف سے زائد طلبہ اپنی سالانہ چھٹیوں میں چلہ، چار ماہ اور کم وبیش اوقات تبلیغ دین کے لیے لگاتے ہیں۔

بہت سے طلبہ جامعہ کے بعض اساتذہ کے حلقہ دروس میں بھی شامل ہوتے ہیں اور اپنے نجی مسائل میں ان سے رجوع کرتے ہیں، اسی طرح بعض طلبہ اپنے ذوق اور مناسبتِ طبع کے مطابق کچھ مشائخ سے منسلک ہیں۔

اسی تربیتی نظام کا یہ ثمرہ ہے کہ بعض طلبہ نے کالج کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ موقعہ کو غنیمت جان کر شعبۂ حفظ کے اساتذہ سے مربوط رہ کر مکمل قرآن پاک حفظ بھی کرلیا ہے، اگر یہ طلبہ جامعہ کی بجائے کسی اور ایسی کالجوں میں زیر تعلیم ہوتے جہاں یہ تربیتی نظام نہیں ہے، تو یقیناً کبھی ان کے دلوں میں حفظ قرآن کا داعیہ بھی پیدا نہ ہوتا۔

دینی ماحول میں عصری تعلیم کا آغاز

حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم کے پیر و مرشد حضرت علامہ قاری صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو حضرت ناظم صاحب مولانا اسعد اللہؒ کے خلیفہ تھے، اور وہ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے اپنے پیر و مرشد کے ایماء واشارے پر ہی ۱۹۹۳ء میں آئی ٹی آئی کے ذریعے دینی ماحول میں عصری تعلیم کا آغاز فرمایا۔ اور آج جامعہ اور اس کی شاخوں میں طبیہ کالج، بی ای انجینئرنگ، ڈپلوما انجینئرنگ، بی فارمسی، ڈی فارمسی، بی ایڈ، ڈی ایڈ وغیرہ پچیس سے زائد کالجز قائم ہو چکے ہیں، جن میں چھ ہزار سے زائد مسلمان طلباء دینی ماحول میں عصری تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جہاں ان کی عمدہ تربیت ہوتی ہے، قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے، تعطیلات میں ساٹھ فیصد سے زائد کالجز کے طلبا جماعت میں جاتے ہیں، جو کسی بھی کالج سے جماعت میں جانے والے طلبا کی سب سے بڑی تعداد ہے۔

''جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم'' اکل کوا، ضلع نندربار، مہاراشٹر، کا قیام ۱۹۸۰ء میں دینی تعلیم کی غرض سے عمل میں آیا۔ جامعہ کے اوّلین سرپرست عارف باللہ حبیب الامت حضرت قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر بلکہ آپ ہی کی کوششوں کے نتیجہ میں؛ بعد ازاں ۱۹۹۳ء میں عصری تعلیم دینی ماحول ہونی چاہیے۔ اس ضرورت کے پیش نظر سب سے پہلے I.T.I اور B.U.M.S کالج کا قیام عمل میں آیا، اس کے بعد جامعہ کامپلیکس میں یکے بعد دیگرے ۱۲/ کالجز قائم ہو چکے ہیں۔ **وللہ الحمد علی ذالک!**

مادیت کے اس دور میں ایمان کی حفاظت مسلمانوں کی سب سے پہلی ترجیح ہونی چاہیے اور اس کے لیے دینی ماحول از حد ضروری ہے۔

عربی میں کہاوت ہے ''الإنسان ابن البيئة'' انسان کو جیسا ماحول ملتا ہے وہ

اس میں ڈھل جاتا ہے۔ اسی لیے آج سے تقریباً ساٹھ ستّر سال پہلے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے کہا تھا: ''مسلمان محکومیت کے اس دور میں اتنا کام اسی تعلیم کے متعلق اپنے ذمہ اگر اور لے لیں، یعنی ہر تعلیم گاہ کے ساتھ ساتھ مسلمان طلباء کے لیے خاص اسلامی اقامت خانے بھی قائم کیے جائیں اور ان اقامت خانوں کی نگرانی ارباب تقویٰ و دیانت کے سپرد کی جائے، ان کا ماحول بالکلیہ اسلامی ماحول رکھا جائے گا''۔ تو مغربی تعلیم حاصل کرنے والوں کی زندگی (انشاء اللہ) اسلامی زندگی میں تبدیل ہو جائے گی۔ (پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت: ج۲/ص۹)۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا قیمتی سرمایہ ایمان ہے، ایمان کو بچانے کے کی کوشش ہم پر فرض ہے۔ لہٰذا اپنے بچوں کو مغرب زدہ ماحول سے دور رکھ کر دینی ماحول میں عصری تعلیم دینے کی فکر کریں، تاکہ سعادت دارین حاصل ہو۔

جامعہ کامپلیکس کی خصوصیات اور سہولتیں

(۱) ہر ہاسٹل میں نماز کے لیے عبادت گاہ موجود۔ (۲) لڑکیوں اور لڑکوں کے عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ بعد مغرب دینی تعلیم کا انتظام۔ (۳) عمدہ رہن سہن اور کھانے کا اسلامی طریقہ پر انتظام۔ (۴) ہر ہفتہ ہاسٹلوں میں علمائے کرام کے بیانات۔ (۵) عبادت گاہوں میں فضائل اعمال اور بنیادی مسائل کی تعلیم۔ (۶) لڑکیوں کو مکمل اسلامی نقاب میں تعلیم۔ (۷) ادارہ کے پاس مسلم مائینوریٹی (Muslim Minority) سٹیٹس موجود۔ (۸) احاطہ میں اسپتال کی سہولت مہیا۔ (۹) تمام کالجز اور اسکولیں سینٹرل گورنمنٹ اور ریاستی سرکار سے افیلائنٹیڈ (منظور شدہ) ہیں۔ (۱۰) تجربہ کار اور باکمال اساتذہ، ہر فن سے متعلق کتابوں سے آراستہ لائبریریاں، آلات و وسائل سے بھرپور لیبوریٹریاں اور دینی و عصری تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام۔

عصری شعبہ جات

انڈسٹریل ٹریننگ سینٹر (آئی ٹی آئی):

آئی ٹی آئی کا آغاز جامعہ کے تحت اگست ۱۹۹۳ء میں ہوا۔ اس کورس کا مقصد یہ ہے کہ اسٹوڈنٹ کو، کورس کی تکمیل کے بعد اپنی معیشت مضبوط کرنے میں مدد ملے۔

روز اول سے آئی ٹی آئی کا تعلیمی رزلٹ قابل تعریف حد تک عمدہ رہا ہے؛ ذمے داروں کی پیہم محنت جاری ہے کہ جامعہ آئی ٹی آئی ترقی کر کے ۲۲ ٹریڈ پر مشتمل ہو جائے۔

اس کالج میں ۲۱ افراد کا اسٹاف ہے، جن میں ۱۷ اساتذہ ہیں۔ طلبہ کی تعداد ۲۵۶ ہے۔ ۱۳۶۴ طلبہ اب تک اس کالج سے ۶ ٹریڈ کی سند حاصل کر کے مختلف طرح کے کامیاب جاب (Job) میں مصروف ہیں۔

احمد غریب یونانی میڈیکل کالج:

قوم کو ہمدرد اور مخلص ڈاکٹروں کی ٹیم فراہم کرنے کے مقصد سے جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا نے اپنے دینی ماحول کے کیمپس میں احمد غریب یونانی میڈیکل کالج کے نام سے بی یو ایم ایس کالج کی ۱۹۹۳ء میں بنیاد ڈالی، جو حکومت سے منظور شدہ مکمل ضروری سہولیات سے آراستہ حکیمی طریقہ علاج سے قوم وملت کے خدمت کی شاہ راہ پر گام زن ہے، ذریعہ تعلیم، اس یونانی کالج میں اردو زبان کو تجویز کیا گیا ہے، تاکہ اردو میڈیم سے دسویں یا بارہویں کلاس پاس کرنے والے اردو داں طلبہ اس کورس سے بھر پور مستفید ہو سکیں۔ ڈاکٹروں کی ایک بڑی ٹیم اب تک تیار ہو کر خدمت خلق کا فریضہ انجام دینے میں ملک کے مختلف گوشوں میں سرگرمِ عمل ہے، جامعہ اے جی یونانی میڈیکل کالج سے اب تک ۲۷۳

طلبہ ڈاکٹر کی سند لے کر فراغت حاصل کر چکے ہیں۔اس کورس میں طالب علم ساڑھے چار سال کی تعلیم اور ایک سال ٹریننگ مکمل کر کے ڈاکٹر بن جاتا ہے۔اب تک دو طلبہ یونیورسٹی سے گولڈ میڈل اور پانچ طلبہ سلور میڈل حاصل کر چکے ہیں۔

جامعہ پالی ٹیکنک کالج اکل کوا:

جامعہ نے جب غور کیا کہ قوم ٹیکنیکل تعلیم میں پس ماندہ اور پیچھے ہے تو ۲۰۰۰ء میں جامعہ نے قوم کے طلبہ کی معاشی بود و باش کو بہتر بنانے کے مقصد سے پالی ٹیکنک کالج کا آغاز کیا۔اس کورس کو "ڈپلوما انجینئرنگ" کہا جاتا ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی کی عصری دوڑ میں اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ قوم وملت کے اشخاص کو سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں اتار کر ترقی کی راہ میں گامزن کیا جائے۔اس شعبہ میں فی الحال جامعہ پانچ برانچ کا نظم وضبط سنبھال رہا ہے۔

اطلاع کے مطابق اس کورس سے فارغ ہونے والے اکثر طلبہ نے اپنا ذاتی جاب شروع کر رکھا ہے،بعض طلبہ نے اعلیٰ تعلیم کے BE ڈگری کورس میں بھی داخلہ لیا ہے۔

علی الانہ ڈپلوما فارمیسی کالج:

جامعہ میں فارمیسی کالج کی بنیاد ۲۰۰۳ء میں رکھی گئی،ظاہر ہے کہ قوم کو اس وقت اچھے اور ماہر فن فارمیسٹ کی شدید ترین ضرورت ہے،جامعہ نے اس کو محسوس کیا اور عزم مصمم کیا کہ فارمیسی کی فیلڈ میں دیانت وامانت کے پیکر فارمیسٹ کو اتارنا ہے،اسی عزم نے یہ نتیجہ برآمد کیا کہ فارمیسی کالج سے ۲۰۱۰-۱۱ء میں نکلنے والے طلبہ کا رزلٹ بہتر رہا ہے۔یہ طلبہ جو اپنے فن میں ماہر ہیں،ملک کے کسی کونے میں جا کر اپنی معاشی صورت حال استوار کر سکتے ہیں،اور اگر مزید اعلیٰ تعلیم کا حوصلہ رکھیں تو بھی ان کے لیے B.Pharm کی راہیں کھلی ہیں۔

ڈگری فارمیسی کالج:

ڈگری فارمیسی کورس کی فارمیسی میدان میں بڑی اہمیت ہے، اس کورس کے بعد جاب میں حد درجے سہولت رہتی ہے، اس کورس میں کافی طلبہ کو داخلہ مل سکتا ہے،قومی سماجی مسائل کے حل کے مدنظر جامعہ نے ۲۰۰۵ء میں ڈگری فارمیسی کالج کا آغاز کیا۔ کامیاب طلبہ لکچرار کی حیثیت سے ڈپلوما فارمیسی کالج سے منسلک ہوسکتے ہیں، یا مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے M.Pharm کی ڈگری حاصل کرسکتے ہیں۔ ۲۰۱۱ء میں ۱۹۳ر طلبہ کا گروپ فائنل اکزام (Finla Exam) میں شریک ہونے جارہا ہے۔

پرائمری اسکول (اردو۔انگلش میڈیم)

جامعہ نے اسٹاف کے نونہالوں کو تعلیم یافتہ بنانے کی غرض سے ۱۹۹۸ء میں پرائمری اسکول کا آغاز کیا۔ ۲۰۰۲ء میں انگلش میڈیم کا قیام عمل میں آیا، ۱۳۵ر طلبہ اردو میڈیم میں اور ۳۱۴ر طلبہ انگلش میڈیم میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ دونوں اسکول اکل کوا کے باشندوں اور اسٹاف کے بچوں کو تعلیم یافتہ بنانے میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ ملازمین و اساتذہ کی تعداد ۱۸ر ہے۔

ہائی اسکول جونیر کالج:

جامعہ نے اپنے وسیع وعریض احاطے میں ہائی اسکول، جونیر کالج کی بھی منظوری لے رکھی ہے، اس شعبہ میں ۶۲۹ ر طلبہ زیر تعلیم ہیں، اردو اور انگلش دونوں زبانیں ذریعہ تعلیم ہے، پریکٹیکل ٹریننگ کے لیے سہولیات سے بھرپور لیباریٹری کا بھی معقول انتظام ہے۔ اسکول کی اپنی علیحدہ لائبریری ہے۔ بہت سارے طلبہ متعدد پیشہ ورانہ کورس آف جونیر کالج

سے وابستہ ہیں، جونیر کالج طالب علم کی زندگی کا ایک اہم موڑ ہے۔اساتذہ وملازمین کی تعداد ۳۶ رہے۔

بی ایڈ کالج:

جامعہ اکل کوانے صرف طلبہ کی تعمیر وترقی کی راہیں ہموار نہیں کی ہیں بل کہ اساتذہ کو بھی میدان تعلیم میں اتارنا چاہتا ہے، جو بچوں کی نشوونما، ذہن سازی، اور اپنی دوررس زندگی کے لیے کامیابی کی ضمانت کا بھی درس دیں، اس کے لیے جامعہ نے بی ایڈ کالج کا آغاز ۲۰۰۴ء میں کیا، جس میں ۱۰۰ رافراد کے استفادے کی گنجائش رکھی گئی ہے، اس کالج سے فارغ ہوکر کامیاب طلبہ ہائی اسکول اور جونیر کالج میں استاذ کے فرائض منصبی کی ادائیگی کرسکتے ہیں۔

ڈی ایڈ (مراٹھی-اردو میڈیم) کالج:

جامعہ نے اس کالج کو ۲۰۰۳ء میں شروع کیا، اس کورس کی سماج میں از حد ضرورت تھی، ضروری سہولیات اور بنیادی اشیا کا کالج بھرپور نظم کرتا ہے۔ پرائمری اسکول میں ٹیچر کے لیے اس کالج کے فارغ طلبہ کام کرسکتے ہیں، ملک میں بے شمار سرکاری پرائمری اسکول موجود ہیں۔اس کالج میں ۳۰۰ رطلبہ زیر تعلیم وتعمیر ہیں۔

ڈپلوما عربی کورس:

این۔سی۔پی۔یو۔ایل نئی دہلی سے اجازت یافتہ ڈپلوما عربک کورس جامعہ میں بڑی شان سے ترقی کی راہ پر گام زن ہے۔ مدرسے کے طلبہ اپنی عربی تعلیمی سرگرمیوں کو پوری طرح جاری رکھتے ہوئے اس کورس میں داخلہ لے کر ڈگری یافتہ ہوسکتے ہیں۔این۔سی۔

پی۔ یو۔ ایل نئ دہلی باقاعدہ ڈگری اور سند سے نوازتی ہے۔ 118 رطلبہ اس کورس میں فی الحال استفادہ کررہے ہیں اس کورس میں کامیاب ہو کر بچلر ڈگری کورس میں داخلہ لیا جاسکتا ہے اور عربی ٹیچر کی حیثیت سے سرکاری اداروں میں اطمینان بخش تنخواہ پر ملازمت بھی کرسکتے ہیں۔

آفس آٹومشین کورس:

جامعہ کے طلبہ کے لیے کمپیوٹر کورس بھی شروع کیا گیا ہے جس میں 125 رطلبہ شامل ہیں۔ طلبہ کے لیے لازم ہے کہ تھیوری اور پریکٹیکل دونوں کلاسوں میں پابندی کے ساتھ حاضری دیں۔ جدید دنیاوی تقاضوں میں جن کی میدانِ عمل میں ضرورت سبھی کو پڑتی ہے۔ کمپیوٹر بھی اب ایک ضرورت بن گیا ہے، جس کی جامعہ کے دینی طلبہ کو بھی سیکھنا اور جدید تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ یہ طلبہ اپنی لیاقت سے کمپیوٹر بہت جلد سیکھ لیتے ہیں اور کمپیوٹر آپریٹر بن کر خدمت انجام دیتے ہیں اور بعض کو پروگرام سازی میں بھی مہارت حاصل ہوجاتی ہے۔

ٹیلرنگ کورس:

جامعہ نے ٹیلرنگ کورس بھی جاری کر رکھا ہے، جس میں طلبہ سلائی، کٹنگ اور فنیشنگ وغیرہ کا کام اچھی طرح سیکھ لیتے ہیں۔ اس کورس سے طلبہ کو ذاتی معیشت پختہ کرنے میں مدد ملتی ہے، یہ کورس جامعہ کے طلبہ کے لیے ہے۔ جو فارغ ہوکر اپنے گھر پر بھی معمولی سا پیسہ خرچ کرکے دوکان کھول سکتے ہیں، جو کسب معاش کے لیے آسان اور بنیادی ذریعہ ہے۔ چاہیں تو بڑے کنٹریکٹر سے بھی مربوط ہوسکتے ہیں۔

امبرائڈری کورس:

اس کورس کو مکمل کر لینے سے طالب علم طرح طرح کے کپڑوں کو پھول پتیوں، اور بیل بوٹوں سے آراستہ کر سکتا ہے۔ جامعہ کے طلبہ مشین امبرائڈری کی ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں، حالات زمانہ کے بدلتے رنگ اور نت نئی تبدیلیوں کے باعث کسب معاش کے لیے یہ کورس نہایت مفید اور معاش کے لیے ضروری حد تک سیکھنا چاہیے۔ طلبۂ جامعہ اسی لیے اس کورس میں بھی حد درجے دل چسپی لے کر اس کو سیکھ لیتے ہیں اور معاش کی تنگی سے نجات پانا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ امبرائڈری کی چند اقسام ہیں مثلاً فری، کاؤنٹڈ تھریڈ ڈران تھریڈ ورک وغیرہ۔

جلد سازی کورس:

جلدی سازی کا مطلب ہے کہ کتابوں کے بکھرے اوراق یکجا کر کے کتاب کی شکل قابل دید بنا کر کتابوں کو میز پر مطالعے کے لائق بنادی جائے۔

جامعہ نے جلد سازی کا کورس اسی مقصد کے پیش نظر شروع کیا ہے جس میں آئے دن کتابوں کے استعمال کی وجہ سے جلد کا خراب ہونا، جلد سازی کی بڑھتی ضرورت کو واشگاف کرتا ہے، جامعہ کے جلد سازی کورس میں تمام ضروری آلات اور مشین مہیا کرادی گئی ہیں جن سے کورس میں داخل طلبہ بآسانی جامعہ کے کتب خانے کی کتابیں، آفس کی کتابیں، طلبہ کے لائبریری اور دار الافتا کے شعبے کے کتابیں جلد سازی کے کورس کے ذریعہ قابل مطالعہ اور مضبوط بنا کر ٹرینڈ ہو جاتے ہیں۔

آپٹیکل کورس:

چشمہ سازی کا کورس بنام ''جامعہ آپٹیکل کورس'' بھی جامعہ کی زیرنگرانی ترقی کی راہ پر کئی سال سے چل رہا ہے۔اس کورس کی تکمیل کے بعد بھی طالب علم خودکفیل ہونے میں کسی کا محتاج نہیں رہتا۔

ضرورت مند طلبہ اس کورس میں داخلہ لیتے ہیں،انہیں آنکھ کا نمبر چک کرنے کا طریقہ، گلاس کا اقسام،کاٹنے کا طریقہ،اورانہیں فریموں میں بحسن وخوبی فٹ کرنا اچھی طرح سکھا دیا جاتا ہے۔جامعہ نے ضروری آلات، مشینیں اور خام مال کا خود انتظام کررکھا ہے جس سے طلبہ کو کورس سے مستفید ہونے میں آسانی ہوتی ہے،آنکھ چوں کہ جسم انسانی کا بڑا حساس عضو ہے اس لیے اس سے متعلق کورس منتخب کرنے یا کسی اور چیز میں احتیاط سے گریزاں رہا گیا تو کام خطرناک حد تک خراب ہوجائے گا۔اسی لیے اچھے پڑھے لکھے ٹیچر کو ہم نے کورس کی ٹریننگ کے لیے مقرر کررکھا ہے۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی اسٹڈی سینٹر:

جامعہ کے طلبہ کو بیچلر ڈگری فراہم کرنے کے اہم ترین مقصد کے پیش نظر جامعہ نے ''ڈسٹینس لرننگ ایجوکیشن'' کا نظام بنایا۔جامعہ کے طلبہ عالمیت وفضیلت اور حفظ قرآن کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اس کورس سے بھی دلچسپی لے سکتے ہیں۔ایک معتد بہ تعداد جامعہ کے طلبہ کی ایسی ہے جس نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد سے ''بی۔اے'' کی ڈگری حاصل کی ہے،بی اے کی ڈگری کی تحصیل کے بعد طالب علم بی ایڈ ماسٹر ڈگری کورس بھی کرسکتا ہے۔

سافٹ ویئر ڈیلوپمینٹ:

انفارمیشن ٹکنالوجی کا زمانہ چل رہا ہے، اپنا معاشی مستقبل سنوارنے کے لیے طالب علم کے لیے بے شمار راستے کھلے ہیں، جس میں ایک واضح اور آسان راستہ "انفارمیشن ٹکنالوجی" کا ہے۔ کسٹمر کی ضرورت کے اعتبار سے اس کورس سے طالب علم سافٹ ویئر ڈیزائننگ سیکھ لیتا ہے۔ طلبہ وائڈ مسٹری، ہارڈ ویئر اینڈ سپرامک ٹریڈنگ یونٹ سافٹ ویئر کی ڈیزائنگ کرنے میں ترقی کی راہ پر ہیں۔

شعبۂ حفظان صحت:

ہمارا بنیادی مقصد حیات تحصیل علم ہے، لیکن بغیر صحت وتندرستی سے اس مقصد کی تحصیل ممکن نہیں۔ صحت انسان کی وہ بنیادی ضرورت ہے، جس کے بغیر انسان کی تگ ودو اور بود وماند رائیگاں ہے۔ ہم نے حفظان صحت کے لیے مستقل ایک شعبہ بنام "میڈیکل ہیلتھ کیئر ڈپارٹمنٹ" تشکیل دیا ہے جو قوم کے دبے کچلے خط افلاس سے نیچے زندگی گزرانے والے افراد کو خاص طور پر اپنا مطمح نظر بناتا ہے۔ عام پبلک اور طلبہ، طالبات کے لیے بھی ہماری طبی امداد مسلسل جاری ہے۔

علاقے کے ارد گرد لوگوں کی آبادیوں میں صحت عامہ کی حفاظت کے لیے کوئی بندوبست نہ ہونے کی بنا پر "موبائل کلینک" کا نظام بنایا ہے جو وقتاً فوقتاً دیہات اور کھیڑوں میں طبی سہولیات لوگوں کے بیڈروم اور مکانوں تک پہونچاتا ہے۔

السلام ہاسپٹل:

جامعہ اکل کوا کے طلبہ کے لیے نیز اکل کوا تعلقہ کے عوام کے لیے "السلام ہاسپٹل" ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اکل کوا تعلقہ اور اس کے اطراف واکناف سے مریضوں

کی وافر تعداد السلام ہاسپٹل سے رابطہ کرکے طبی سہولیات وامداد سے ہم کنار ہورہی ہے۔

ایکسرے، ای سی جی، لیباریٹری، نیو بولائزر (Nabuliser) اور لمبر ٹریکش (Lumber Traction) جیسی بے شمار سہولیات سے بھرپور السلام ہاسپٹل قوم وملت کے پریشان حال افراد کی پریشانیوں کا محسوس مداوا ہے۔

جامعہ کا یہ ہاسپٹل تقریباً ۱۷؍سال سے قوم وملت کے مریضوں کو امداد پہنچا رہا ہے، جس میں موجودہ تاریخ میں یومیہ OPD ۳۰۰؍اور IPD ۶۰؍مریض ہوتے ہیں۔ ایمرجنسی صورت حال میں ہاسپٹل کی ایمبولینس تیار رہتی ہے جو ریفرڈ ڈاکٹر یا ہاسپٹل تک مریضوں کو پہنچانے میں بہترین مدد دیتی ہے۔

میڈیکل کیمپ:

عوامی طبی فوائد کے پیش نظر جامعہ سال میں ۲-۳؍بار ضرور میڈیکل کیمپ کے انعقاد کا مفید اہتمام کرتا ہے۔ سماج کے بے شمار ایسے مریض یقیناً ہوتے ہی ہیں جو اپنے خرچ پر اپنے مرض کا علاج دور دراز بڑے شہروں میں جا کر نہیں کرا سکتے۔ اسی طرح کے لاچار مریضوں کی صحت وتندرستی کی پیش نظر ہم طبی کیمپ لگانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

جس کے لیے ماہر تجربہ کار ڈاکٹروں کی ٹیم مختلف امراض کے لیے مدعو کی جاتی ہے، جن کا اپنے اپنے دائرہ علاج میں ایک طویل تجربہ رہتا ہے؛ اسی لیے اکل کوا اور اطراف واکناف کے علاوہ دور افتادہ علاقے کے مریض بھی کیمپ سے استفادہ کرہی لیتے ہیں، کیوں کہ کیمپ میں طبی سہولیات، دوائیں، متعدد قسم کے ٹسٹ اور ڈاکٹر فیس ساری چیزیں مفت فراہم کی جاتی ہیں، جسے جامعہ اکل کوا برداشت کرتا ہے۔ امسال جامعہ نے موتیابند کا کیمپ رکھا جس میں ۲؍دن میں ۱۱۷؍افراد کا آپریشن کامیابی کے ساتھ ہوا۔

کچھ دیگر طبی منصوبے اور پروگرام:

جامعہ نے السلام ہاسپٹل، موبائل کلنک اور طبی کیمپ کے علاوہ ملک کے مختلف حساس علاقوں میں طبی امداد بہم پہونچانے کی غرض سے عوام کی سہولیات اور فلاح وبہبود کی خاطر دیگر طبی پروگرام بھی شروع کیا ہے، چناں چہ جامعہ کے نگرانی میں آج کی تاریخ تک ۱۴/ ہاسپٹل پوری آب وتاب کے ساتھ مفت علاج کی راہ پر چل رہے ہیں۔ اور علاج و دوائیں مفت دینے کے ساتھ دوسرے اسپتالوں میں ان کو ایڈمٹ کرا کے پوری امداد بہم پہونچائی جائے اور ادھورا علاج کر کے مریض کو پریشانی میں چھوڑ دینا ہمارا شیوہ نہیں، یہ بھی خیال رہے کہ مریض کے علاج میں تعصب پسندی کو ہر گز راہ نہیں دی جاتی کہ یہ ہماری پالیسی کے یکسر خلاف ہے۔

جامعہ کی سماجی خدمات

سماج اور قوم کے افراد کی خدمت کرنا ایک اخلاقی اور سماجی ضرورت ہے، زمین پر بسنے والی مخلوقِ خدا میں بے شمار ایسے افراد بستے اور جیتے ہیں، جن کے پاس اپنی جائز ضروریات کی تکمیل و تسہیل تک کے وسائل نہیں ہوتے، بے سہارا اور بے یار ومددگار انسانوں کی خدمت بے شمار خیر وسعادت کا باعث ہے، اور خدا وندقدوس کی طرف سے بیش بہا اجر وثواب کا ذریعہ ہے۔ آج سماج کی کسی پریشان حال کو ایک پیسہ اس کی ضرورت کے لیے دے دیجیے کل آخرت میں جب اس کا ثواب دیکھیں گے، تو حیرت واستعجاب کی انتہاء نہ رہے گی کہ ایک پہاڑ کے برابر اس کا حق الخدمت ملے گا، اور دنیا میں نیک نامی اس پر مستزاد۔

بورویل:

پانی زندگی ہے، ہر ذی حیات کے لیے پانی کی ضرورت ہے ہوا اور سانس کی طرح ہے، ہر ذی روح کی روح پانی ہے، جن علاقوں میں پانی کا بحران ہے، انہیں وضو کرنے، نہانے برتن اور کپڑے دھونے، پینے اور کھانا پکانے میں وہ مشکلات پیش آتی ہیں کہ اللہ کی پناہ!

جامعہ اکل کوا نے انہیں باتوں کے مدنظر ملک اور صوبہ مہاراشٹر کے مختلف حصوں میں بورویل کا انتظام واہتمام کیا ہے، اب تک ۳۳۵۰ ر بورویل سے مخلوق خدا فیض یاب ہو رہی ہے، جہاں پانی کی زیادہ قلت ہے وہاں جامعہ نے بورویل کے اہتمام وانصرام میں توجہ زیادہ مبذول کی ہے، صرف امسال جامعہ نے ۱۱۰ ر بورویل کا انتظام مکمل کیا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خدمت کنندگان قوم کا بھرپور صلہ دے۔ آمین!

خدمت بیوگان:

جامعہ اکل کوا نے ''خدمت بیوگان فنڈ'' میں اس وقت ۳۱۰ ر سے زائد بیوہ خواتین کے نام مندرج ہیں؛ جامعہ ان تمام بیوہ خواتین کی ماہانہ رقوم سے مدد کرتا ہے جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی معتبر ومعتمد شخص اگر بآسانی آمد ورفت کرتا ہے تو اس کے بدست معاون کی رقم بیوہ خاتون کو بھیج دی جاتی ہے، یا منی آرڈر یا کسی سرپرست کے ذریعہ مطلوبہ رقم مطلوبہ بیوہ کو پہنچانے کی حتی المقدور ہر ماہ کوشش کی جاتی ہے۔ البتہ رمضان میں سحر وافطار کے اہتمام کے لیے بیوہ خواتین اور غریبوں کو اس فنڈ سے مزید مدد کی جاتی ہے۔

عبادت خانے:

جامعہ اکل کوا ایسے مکانات کی تعمیر میں بھی دلچسپی لیتا ہے جو بیک وقت دو کام انجام دینے کے لیے استعمال ہوسکیں وقت عبادت اسے عبادت خانے کے طور پر استعمال

کیا جائے ،اور پھر اس میں رہائش ضرویات کی تکمیل بھی ہو سکے، اب تک جامعہ اس طرح کے مکانات ۵۵۴۰ کی تعداد میں تعمیر کی مراحل سے گزر چکا ہے۔

جامعہ نے اس نوعیت کے تعمیراتی عمل کے لیے منظّم پلان بنایا ہے جس کے لیے ایک بات یہ بھی ازحد ضروری ہے کہ جہاں اس طرح کے مکان کی تعمیر کی بات ہو وہاں کے لوگ پہلے جامعہ کو درخواست کی شکل میں مطلع کریں، پھر جامعہ اس کو فائل شکل دے گا، کتنی کاسٹ آئے گی، تعمیراتی مراحل کی نگرانی کون کرے گا؟ پھر سارے حالات سے واقف ہو کر جامعہ سے پوری طرح رابطہ کون رکھ سکے گا؟ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھ کر تعمیراتی عمل کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے، تا کہ صحیح عمل میں خیانت کی درآمدگی کو کم سے کم بلکہ ختم کیا جاسکے۔

جامعہ مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں تین نوعیت کی اجازت دیتا ہے: (۱) نئی تعمیر (۲) جاری تعمیر میں تعاون (۳) الگ نوعیت کی تعمیر مثلاً ڈبلیو یسی بلاک، دروازے اور کھڑکیوں کی تعمیر، ٹین شڈ، احاطہ کی چہار دیواری وغیرہ۔

امسال جامعہ کی اس منصوبہ کے تحت یہ کامیابی رہی ہے کہ ۱۲۵ عبادت خانے رہائشی طرز کے تعمیر کرائے جاچکے ہیں۔

شعبۂ مساجد:

مذہبِ اسلام میں مساجد کی زبردست اہمیت ہے، اسلام نے مساجد کے تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے، چناں چہ قرآن مجید میں آیا ہے: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِـاللّٰهِ وَ الْيَوْ مَ الاٰخِرِ۔ (سورۃ التوبہ) (وہی آباد کرتا ہے اللہ کی مسجدیں جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم جس شخص کو مساجد

میں آتے جاتے، مساجد کی خدمت کرتے اور اسے آباد رکھتے ہوئے دیکھو، اس کے ایمان کی گواہی دو، کیوں کہ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ مساجد کو آباد کرنا اہلِ ایمان ہی کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، بانی جامعہ کو آپ نے قیام جامعہ کے ساتھ ہی تعمیر مساجد کے مشن کو بھی اپنا نصب العین بنایا اور جگہ بہ جگہ شہروں، دیہاتوں اور محلوں میں مساجد تعمیر کرائے، جہاں مسجدیں خستہ حالت میں تھیں، اس کو درست کروایا، جہاں توسیع کی ضرورت تھی وہاں بھرپور تعاون کر کے اس کی توسیع کرائی، جہاں نئ مسجد کی ضرورت تھی، وہاں نئ مسجدیں بنوائیں؛ الحمدللہ! اب تک جامعہ کی طرف سے ۵۵۰۰ر مساجد کی تعمیر ہوچکی ہیں۔

حُجاج کے قافلے:

حضرت دامت برکاتہم ہر سال دس پندرہ علما کرام کو اپنی وساطت سے حج کے لیے روانہ فرماتے ہیں، جس کے نتیجہ میں سینکڑوں علماء کرام نے حج جیسی عظیم عبادت کو انجام دے کر مقاماتِ مقدسہ اور زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لطف اندوز ہوئے۔

امدادِ مدارس:

ہندوستان بھر کے دو ہزار سے زائد مدارس کو مولانا ہر سال مالی تعاون کرتے ہیں، اور مولانا چوں کہ اپنے علاقہ کی معتبر شخصیت ہیں، کہ ان کی تصدیق کے بغیر مدارس کا چندہ نہیں ہوتا، اس لیے تین ہزار سے زائد مدارسِ عربیہ کو گجراتی، اردو، انگریزی اور عربی میں آپ اپنی تصدیقات عنایت فرماتے ہیں۔

غریبوں کی شادی میں تعاون:

ہر سال سیکڑوں نادر علماء اور غریب مسلمانوں کو شادی کے لیے اجتماعی وانفرادی

طور پر تعاون کیا جاتا ہے، ہر سال ایک ہزار سے زائد افراد کا تعاون ہوتا ہے۔

مکانات کی تعمیرات:

علماء اور غرباء کو مکانات میں مکمل یا جزوی تعاون کیا جاتا ہے، جس کی تعداد بھی سات آٹھ سو سے متجاوز ہے۔

معذوروں کا تعاون:

بے شمار معذوروں کو سالانہ و ماہانہ خرچ بذریعہ منی آرڈر دیا جاتا ہے۔

افطار وسحر کا اہتمام:

''جامعہ'' رمضان المبارک کے محترم مہینے میں اس بات کا خصوصی اہتمام کرتا ہے کہ مختلف پس ماندہ علاقوں اور شہروں کے دبے کچلے، غریب نادار، ضرورت مند، کمزور وناتواں، بیکس، بدحال، اور خستہ وخجستہ افراد واشخاص کو رمضان میں افطار وسحر کے لیے مالی تعاون کا اہتمام کرے، تاکہ رمضان کی برکتوں سے اور بہاروں والے مہینے سے پوری طرح فیض یاب ہوسکیں، کبھی کبھی بل کہ اکثر غلہ جات، کپڑے، میوے، کھجوریں، اور دوسری ضروری اشیاء افطار وسحور کے لیے مہیا کرائی جاتی ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ افطار پارٹی کے نام سے بڑی تعداد میں افطار کی دعوت دے کر روزے داروں کو روزہ کشائی کے لیے شہروں اور دیہاتوں میں عزت واہتمام کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے۔

افطار وسحور کا اہتمام کرنے میں مالی تعاون کرنے والے مسلمانوں اور مالدار اشخاص کی ہدایت کے مطابق جیسی جیسی اشیاء کی فروخت وتقسیم کی بات ہوتی ہے جامعہ انھیں کے

مطابق افطار وسحور میں اھتمام کرتا ہے، اور حقائق پر مبنی رپورٹ انہیں بذریعہ فون یا خط بھیجتا ہے جس سے خیر خواہان قوم اور جامعہ کے معاونین کو فطری طور پر خوشی ہوتی ہے کہ بندگان خدا کی ایک بڑی ٹیم ان کے اموال سے فیض یاب ہو کر ان کے لیے آخرت کے ثواب کا باعث بن رہی ہے۔

عیدالاضحیٰ میں قربانی:

جامعہ عیدالاضحیٰ کے اسلامی تہوار کے موقع پر اس بات کا شدت سے اہتمام کرتا ہے کہ ایسی خوشی کی گھڑی جس میں ۳ / یوم تک خالق ارض وسما کی طرف سے ضیافت کا عام اعلان ہے مسلمانان شہر و دیہات اپنی خوشی کا بھر پور اظہار کر سکیں۔ اس کے لیے جگہ جگہ ضرورت مندوں کی ضیافت رب سے مستفیض ہونے کی غرض سے قربانیوں کا اہتمام جامعہ کی دلچسپیوں میں شامل رہا ہے، تاکہ ہر غریب اور اس کے بچے قربانی کے گوشت سے اپنی خوشی دوبالا کر سکیں اور اسلامی تہوار سے کماحقہ محظوظ ہو سکیں۔

جامعہ ہر ایسے مخلص افراد کو ہر وقت تیار رکھتا ہے جو دیہات اور کھیڑے کے مجبور ومعذور اور بے کس و بے بس لوگوں سے رابطہ کر کے انہیں قربانی کے جانور یا اس کا گوشت وقت ضرورت بآسانی بہم پہنچائیں۔

اس طرح الحمدللہ ہمارے خدام ومعاونین کا نٹ ورک مخلصانہ ودردمندانہ نہج پر کام کی شاہ راہ پر رواں دواں رہتا ہے۔ اللہ انہیں بھی جزائے خیر دے۔ آمین!

جامعہ میں دعوت وتبلیغ کی محنت

الحمدللہ! جامعہ اکل کوا میں ابتدا سے ہی دعوت وتبلیغ کی محنت ہورہی ہے جس میں اساتذہ وطلبہ فکروں میں جڑُتے رہے ہیں۔ بعدازاں عصری تعلیم کے اساتذہ واسٹاف اور طلبہ نے ان فکروں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بفضل تعالیٰ اس وقت شعبہ کتب، حفظ، دینیات اور عصری تعلیم کے تمام شعبہ جات میں مسجد وار جماعتیں قائم اور فعال ہیں۔

عصری تعلیم کے شعبوں کی جماعتیں چھٹیوں میں نکلتی ہیں۔ ہفتہ واری ڈیڑھ دن کی جماعتیں تمام شعبوں سے نکلتی ہیں۔ ہراتوار کو صبح اجتماع ہوتا ہے۔

دینی تعلیم کے شعبوں کی جماعتیں ششماہی کی چھٹیوں میں اور شعبان رمضان کی تعطیلات میں چلّہ کے لیے نکلتی ہیں۔ ان طلبہ کا خرچ جامعہ سے دیا جاتا ہے اور طلبہ کی وصولی رقم بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔ دورۂ حدیث شریف کے طلبہ فارغ ہونے کے بعد چار ماہ اور ایک سال کے لیے جماعتوں میں نکلتے ہیں۔

جامعہ اور اس کی عمارتیں

جامعہ تقریباً ۵۲/ ایکٹر زمین پر پھیلا ہوا ہے، جس کے ۲۸/ ایکٹر زمین پر تعمیری کام ہو چکا ہے۔ ہر شعبہ کی عمارتیں الگ الگ ہیں، جہاں اس کی کلاسیں چلتی ہیں رہائش کے لیے الگ ہاسٹیل بنے ہوئے ہیں، جہاں طلبہ آرام کرتے ہیں؛ اسی طرح اساتذۂ کرام کی رہائش کے لیے الگ کوارٹرس بنے ہوئے ہیں جس میں وہ اپنے بال بچوں کے ساتھ اطمینان وسکون سے رہتے ہیں۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے حسبِ ضرورت عمارتیں تعمیر ہوتی گئیں یعنی دوسرے الفاظ میں، جس چمن کی ابتدا چند پودوں سے ہوئی تھی،

آج اس میں اس قدر پودے لگائے جا چکے ہیں جو نگاہوں کے لیے ''مجازی جنت'' کا منظر پیش کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یہاں کی تمام عمارتیں مولانا وستانوی کے ''جمالیاتی ذوق'' اورخوب سے خوب تر کے آئینہ دار ہیں۔ فی الوقت ہر ہر عمارت کی تفصیل پیش کرنا مقصود نہیں ہے لیکن اجمالی طور پر عمارتوں کے ذکر سے صرفِ نظر کرنا بھی ممکن نہیں، البتہ عمارتوں کی تعداد ۵۸؍تک پہنچ چکی ہے۔

آئی ٹی آئی کالج بلڈنگ	آئی ٹی آئی اسٹاف کوارٹر-A
مجوزہ عمارت کے لیے گھیری ہوئی جگہ	مسافر اور عبادت خانہ
ڈاکٹر اسٹاف کوارٹر-B	گرلس ہاسٹل
اسٹاف کوارٹر-C	اسٹاف کوارٹر-D
اسٹاف کوارٹر-E	السلام ہاسپٹل
اسٹاف کوارٹر-F	اسٹاف کوارٹر-G
اسٹاف کوارٹر-H	جامعہ اُردو پرائمری اسکول
اسٹاف کوارٹر-I	اسٹاف کوارٹر-J
اسٹاف کوارٹر-K	دار الیتامی
دار القرآن	کینٹین-اسٹاف کوارٹر برائے کالج
دار الحدیث	فارسی اور عربی اوّل بلڈنگ
آفس اور مکاتب سیکشن	تجوید سیکشن
بیت الخلاء وغسل خانے	جنریٹر روم
انٹرکام آفس	کچن سیکشن

ڈائننگ ہال-1	ڈائننگ ہال-2
کچن ہال	دارالتربیت
قصرِمحمدی	بیت الخلاء وغسل خانے
قصرِخدیجہ	قصروستانوی
بیت الخلاء وغسل خانے	گارڈن
مسجدمیمنی	دارالضیوف (مہمان خانہ)
باب صدیق (صدرداخلی دروازہ)	سیکیوریٹی روم-1
سیکیوریٹی روم اینڈشاپنگ	علی اَلانہ انگلش میڈیم اسکول
اُردوڈی ایڈکالج	مراٹھی ڈی ایڈاینڈبی ایڈکالج
پالی ٹیکنیک، انجینئرنگ کالج	پالی ٹیکنیک ورکشاپ
ڈگری کالج ورکشاپ	جامعہ کالج ڈی فارمیسی کالج
علی اَلانہ کالج بی فارمیسی	علی اَلانہ کالج ایم فارمیسی
علی اَلانہ پی ایچ ڈی ریسرچ سینٹر	ہاسٹل بلڈنگ-1
ہاسٹل بلڈنگ-2	ہاسٹل بلڈنگ-3
بیت الخلاء وغسل خانے-1	عبادت خانہ اینڈریڈنگ ہال
ہاسٹل شاپنگ	ملازمین کوارٹرL

ڈگری کالج، مولانا آزادنیشنل اُردویونیورسٹی

بی یوایم کالج اینڈمولانا آزاداُردوہائی اسکول اینڈجونیئرکالج

جامعہ کی اقامتی شاخوں اور مکاتب کا مختصر جائزہ

جامعہ اپنے تعلیمی منصوبوں کو اپنے احاطہ تعلیمی تک ہی محدود رکھنا پسند نہیں کرتا بل کہ روز اول سے اس کی یہی تگ ودو رہی کہ تعلیمی دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہو اس لیے اکل کوا سے باہر بھی بے شمار مقامات پر تعلیمی منصوبے کے تحت بے شمار تعلیمی مکاتب ومراکز میں نونہالان قوم کی تربیت وتعمیر کا سلسلہ دائمی طور پر مسلسل جاری ہے۔ جامعہ کے تحت جتنے مکاتب حلقے میں ہیں، جامعہ انھیں مالی فنڈ فراہم کرنے کے ساتھ خودکفیل بنانے کی سعی کرتا رہتا ہے جس سے چند سالوں میں مکاتب خودکفیل ہوکر اپنی ساری ذمے داریاں خود اوڑھ لیتے ہیں اور مرکز کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے، پھر جامعہ اکل کوا اسی خرچ میں دوسرے مقامات پر مکاتب کے قیام کی شکلیں سوچتا ہے، جس سے ترقی کی شرح کا گراف پڑھتا ہی رہتا ہے۔ اللہ کی خاص مدد ہے کہ اس وقت ۲۶۵۰ / مکاتب میں تعلیم پانے والے بچوں کی تعداد میں ہوش ربا اضافہ ہے اور ان کی تعداد بڑھ کر ایک لاکھ پچیس ہزار تک پہنچ گئی ہے جو یقیناً ایک بڑی تعداد ہے۔

رہائشی مراکز:

تعلیمی سرگرمیوں کے آغاز ہی سے جامعہ نے رہائشی مراکز کی تاسیس وتعمیر کا نظام بنایا تھا جس میں طلبہ اور طالبات کے لیے الگ الگ مقامات میں علیحدہ رہائش کا انتظام رہے، چناں چہ اس وقت تک ۸۲ / رہائشی مراکز تعمیر ہوچکے ہیں جس میں ۶۶ / میں طلبہ رہتے ہیں اور ۱۶ / میں طالبات۔ بنین کے ۶۶ / مراکز میں قیام پذیر طلبہ کی تعداد 19185 اور

بنات کے ۱٦ مراکز میں 7176 طالبات سکونت پذیر ہیں۔ ان تمام رہائشی مراکز کی وقتاً فوقتاً نگرانی بھی کی جاتی ہے، اور معائنہ کرکے اس کے قیام وطعام کا نظام، صفائی، ستھرائی، تعلیم وتعلم، پانی، بجلی، اور صحت وتندرستی تمام چیزوں پر گہری نظر رکھی جاتی ہے۔

۱	مدرسۃ تعلیم القرآن	نمبا یتی.اورنگ آباد	۱۹۸۷	13+14	313
۲	مدرسہ البنات	نمبا یتی.اورنگ آباد	۲۰۰۰	30+14	715
۳	مدرسۃ روح الاسلام	نائیگاؤں.اورنگ آباد	۱۹۹۰	22+11	321
٤	مدرسہ عمر بن الخطاب	کنج کھیڑا.اورنگ آبا	۱۹۹۷	46+31	990
٥	مدرسہ حفصۃ بنت عمرؓ	کنج کھیڑا.اورنگ آبا	۲۰۰۲	24+30	842
٦	مرکز اسلامی سلیمیہ	سلوڑ.اورنگ آباد	۲۰۰۱	24+13	480
۷	مدرسہ خیر العلوم	گنگاپور۔اورنگ آباد	۱۹۹٦	11+06	180
۸	مدرسہ مفتاح العلوم	والوج۔اورنگ آباد	۱۹۹۷	09+05	142
۹	مدرسہ خالد بن ولید	ویجاپور۔اورنگ آباد	۲۰۰۷	17+08	404
۱۰	مرکز اسلامی منہاج العلوم	رنجنی.جالنا	۱۹۹۱	40+27	815
۱۱	جامعہ مریم للبنات	رنجنی.جالنا	۲۰۰۷	25+40	760
۱۲	جامعہ ابوہریرۃؓ	بدناپور.جالنا	۱۹۹۱	49+20	850
۱۳	مدرسۃ ریاض العلوم	اَنواء.جالنا	۱۹۹۰	30+19	550
١٤	مرکز ابوبکر الصدیقؓ	عنبر.جالنا	۱۹۹۷	24+15	434
۱٥	مرکز اسلامی غنیمہ	جعفرآباد.جالنا	۱۹۹٤	11+11	200
۱٦	مرکز عادل بورسلی	پاتھری۔پربھنی	۲۰۰۲	22+09	275
۱۷	جامعۃ البنات حضرت صفیہ	پاتھری۔پربھنی	۲۰۰۹	23+09	423

۱۸	جامعہ عروج الاسلام	مارول .جلگاؤں	۱۹۸۸	20+13	550
۱۹	مدرسۃ انوار العلوم	مہرون .جلگاؤں	۱۹۸٦	21+09	262
۲۰	مدرسۃ کافیۃ العلوم	اُڑاود .جلگاؤں	۱۹۸۱	07+05	175
۲۱	دار العلوم	بھڑگاؤں۔جلگاؤں	۲۰۰۱	10+05	150
۲۲	مرکز اسلامی الرحمہ	ملکاپور .بلڈانہ	۱۹۹۸	11+10	217
۲۳	دار العلوم محمدیہ	اندری۔بلڈانہ	۲۰۰۱	04+02	100
۲٤	مدرسۃ الفلاح	پیلہ . بیڑ	۱۹۹٦	24+26	423
۲۵	مدرسہ عائشہ للبنات	پیلہ . بیڑ	۲۰۰۵	14+11	520
۲٦	دار العلوم مسعودیہ	مومن آباد۔بیڑ	۲۰۰۳	04+02	098
۲۷	مدرسہ تعلیم القرآن	منجلے گاؤں۔بیڑ	۲۰۰۲	17+11	250
۲۸	جامعۃ المحسنات	منجلے گاؤں۔بیڑ	۲۰۰۲	15+14	375
۲۹	مدرسہ احیاء العلوم	عثمان آباد۔	۲۰۰۲	08+07	140
۳۰	جامعہ سلمان فارسی	شیراڈھون۔عثمان آباد	۲۰۰۵	08+06	120
۳۱	مدرسۃ عثمان بن عفانؓ	اُحمد پور.لاتور	۱۹۹۹	25+17	335
۳۲	مدرسۃ تقویۃ الایمان	اُوسہ .لاتور	۱۹۹٦	13+07	225
۳۳	مرکز علی بن ابی طالبؓ	پلوس۔سانگلی	۲۰۰۲	25+05	380
۳٤	مرکز خالد بن ولید	جت۔سانگلی	۲۰۰۲	11+03	095
۳۵	مدرسہ انوار الاسلام	ایرنڈگاؤں۔ناسک	۱۹۹۹	03+03	025
۳٦	جامعہ ابوہریرہؓ	کرکھیلی.ناندیڑ	۱۹۹٤	09+07	177
۳۷	دار العلوم محمدیہ	حمایت نگر.ناندیڑ	۱۹۹۰	20+09	350

٣٨	مدرسہ عربیہ دار العلوم	عثمان نگر۔ ناندیڑ	٢٠٠٣	08+04	160
٣٩	جامعہ محمدیہ	احمد نگر۔	٢٠٠٧	35+08	850
٤٠	مدرسہ کاشف العلوم	وشاکاپٹنم A.P	٢٠٠٠	24+15	230
٤١	مدرسۃ البنات	وشاکاپٹنم A.P	٢٠٠٨	----	156
٤٢	مدرسہ منبع العلوم	ایلور۔ w گوداوری	٢٠٠٢	18+12	210
٤٣	مدرسۃ البنات	ایلور۔ w گوداوری	٢٠٠٨	----	265
٤٤	دار العلوم	اکواڑا. بھاؤنگر	١٩٨٧	34+17	1010
٤٥	مدرسہ تعلیم القرآن	بیلا. بھاؤنگر	١٩٨٦	28+15	355
٤٦	مدرسہ تعلیم الدین	بھادرود. بھاؤنگر	١٩٨٨	17+08	275
٤٧	مدرسہ اشرف العلوم	بوٹاڈ. بھاؤنگر	١٩٩١	22+15	550
٤٨	گلشن رحیمہ للبنات	بوٹاڈ. بھاؤنگر	٢٠٠٦	15+04	304
٤٩	مدرسہ تعلیم اسلام	سریندرنگر. بھاؤنگر	١٩٨٤	18+08	276
٥٠	بچوں کا گھر	توکل نگر کھیڑا	١٩٨٤	19+15	350
٥١	مدرسہ منبع العلوم	دھولکا. احمد آباد	١٩٩٨	10+13	265
٥٢	دار العلوم	سیندھوا. کھرگون	١٩٩٦	30+25	825
٥٣	مولانا آزاد ایجوکیشن	بالاگھاٹ. بالاگھاٹ	٢٠٠٠	26+13	370
٥٤	مدرسہ تعلیم الدین	دھاناسوٹا. رتلام	١٩٩٦	10+10	225
٥٥	مدرسہ قوۃ الاسلام	بھینس دھی۔ بیتول	٢٠٠٠	06+03	110
٥٦	مدرسہ خدیجۃ الکبری	ریپور۔ برھانپور	٢٠٠٦	21+18	640
٥٧	جامعہ ابوہریرہؓ	بسرا۔ راورکیلا	١٩٩٦	19+08	343

۵۸	اینہ ہارون البنات	بسرا۔راورکیلا	۲۰۰٤	23+12	545
۵۹	مدرسہ عبداللہ حمود خرافی	اوراد ۔ بیدر	۲۰۰۲	11+06	226
٦۰	جامعہ تعلیم القرآن	بیجاپور ۔ بیجاپور۔	۲۰۰۵	09+07	195
٦۱	مدرسہ مظاہر العلوم	بیر۔بیر۔مہاراشٹر	۲۰۰۸	13+05	225
٦۲	مدرسۃ البنات	اڈول۔اورنگ آباد	۲۰۰۹	14+10	415
٦۳	مدرسۃ البنات حضرت عائشہ	ایرنڈول۔جلگاؤں	۲۰۰۹	07+02	125
٦٤	مدرسہ کعب بن مالک رضی اللہ	سیندورواوا،اورنگ آباد	۲۰۰۳	05+04	107
٦۵	مدرسۃ البنات حضرت عائشہ	کھاچروڑ روڑ۔رتلام	۲۰۰۹	07+07	313
٦٦	مدرسہ فیض العلوم	منٹھا۔جالنا	۲۰۰۹	05+05	107
٦۷	دارالعلوم طیبہ	باگل کوٹ۔کرناٹک	۲۰۰۹	03+03	065
٦۸	مدرسہ انوار القرآن	پیپل نیر۔دھولیا	۲۰۱۱	05+02	070
٦۹	مدرسہ قاسم العلوم	دھاڑ،بلڈانہ،مہاراشٹر	۲۰۰۰	10+06	200
۷۰	مدرسہ معراج العلوم	ہنگولی،ہنگولی،مہاراشٹر	۲۰۰۱	08+05	109
۷۱	مدرسہ سراج العلوم	چکل ٹھانہ۔اورنگ آباد	۲۰۰۸	08+02	080
۷۲	مدرسہ معین العلوم	گوگاواں۔ایم پی	۲۰۰٤	09+02	200
۷۳	جامعہ معین الدین چشتی	اجمیر۔راجستھان۔	۲۰۰۰	28+06	300
۷٤	مدرسہ کنز مزغوب	پٹن۔گجرات۔	۲۰۰٤	26+17	431
۷۵	مدرسہ اکرام الحسن	ساؤنگی ہرسل،اورنگ آباد	۲۰۰۹	03+03	050
۷٦	مدرسہ عرفان القرآن	سارولہ پھاٹہ،سلوڑ،	۲۰۰۹	03+03	045
۷۷	مدرسہ دعوۃ الحق صدیقیہ	لمبے جلگاؤں،گنگاپور	۲۰۱۰	03+03	054

۷۸	مدرسہ سراج العلوم	سونی، ایم پی	۲۰۱۱	08+04	105
۷۹	مدرسہ عروج الاسلام	کنگوڑا، کوربرا، ۳۶ گڈھ	۲۰۱۱	03+01	103
۸۰	مدرسہ تعلیم القرآن	رانکا، بیمیترا، ۳۶ گڈھ	۲۰۱۱	03+01	096
۸۱	مدرسۃ البنات	احمد پور، لاتور	۲۰۱۱	05+03	175
۸۲	مدرسۃ البنات	سلوڑ، اورنگ آباد	۲۰۱۱	16+06	600
					26,631

جامعہ اکل کوا کے اساتذہ وطلبہ کی تعداد

جامعہ کا اسٹاف: 304+200

جامعہ کے دینی طلباء کی تعداد: 9661

جامعہ کے عصری طلباء کی تعداد: 3444

مدرسۃ البنات ایک نظر میں

مسلمان بچیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے مدرسۃ البنات کا قیام عمل میں لایا گیا (جو مومنہ کورس) کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا چار سالہ نصاب ہے، جس میں ۱۰ ریا ۱۱ رسال کی عمر میں بچیوں کو تعلیم سے فارغ کر دیا جاتا ہے۔ اس قلیل مدت میں دینی بنیادی تعلیم، قرآن کریم مع صحت و تجوید، اردو نوشت و خواند، عبادات و معاملات، اخلاقیات و معاشرت اور دیگر دینی ضروری مسائل سے ان کو واقفیت کرایا جاتا ہے۔ ضمناً عصری تعلیم اور دیگر امور خانہ داری وضروری ہنر بھی سکھایا جاتا ہے۔ جامعہ نے اب تک ۱۶ رمدرسۃ البنات قائم کیے ہیں جن کی فہرست یہ ہے:

۱	مدرسہ البنات	نمباپتی، اورنگ آباد	۲۰۰۰	30+14	715

۲	مدرسہ حفصہ بنت عمرؓ	کنج کھیڑا،اورنگ آباد	۲۰۰۲	24+30	842
۳	جامعہ مریم للبنات	رنجنی.جالنا	۲۰۰۷	25+40	760
٤	جامعۃ البنات حضرت صفیہ	پاتھری۔پربھنی	۲۰۰۹	23+09	423
٥	مدرسہ عائشہ للبنات	پپلہ . بیڑ	۲۰۰٥	14+11	520
٦	جامعۃ المحسنات	منجلے گاؤں۔بیڑ	۲۰۰۲	15+14	375
۷	مدرسۃ البنات	وشاکاپٹنم A.P	۲۰۰۸	----	156
۸	مدرسۃ البنات	ایلور۔w گوداوری	۲۰۰۸	----	265
۹	گلشن رحیمہ للبنات	بوٹاڈ.بھاؤنگر	۲۰۰٦	15+04	304
۱۰	مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ	ریرپور۔برھانپور	۲۰۰٦	21+18	640
۱۱	امینہ ہارون البنات	بسرا۔راورکیلا	۲۰۰٤	23+12	545
۱۲	مدرسۃ البنات	اڈول۔اورنگ آباد	۲۰۰۹	14+10	415
۱۳	مدرسۃ البنات حضرت عائشہ	ایرنڈول۔جلگاؤں	۲۰۰۹	07+02	125
۱٤	مدرسۃ البنات حضرت عائشہ	کھاچروڑ روڑ۔رتلام	۲۰۰۹	07+07	313
۱٥	مدرسۃ البنات	احمد پور،لاتور	۲۰۱۱	05+03	175
۱٦	مدرسۃ البنات	سلوڑ،اورنگ آباد	۲۰۱۱	16+06	600

مدرسۃ البنات کا چار سالہ نصاب تعلیم

سال اول

تجوید کے بنیادی قواعد و اُردو زبان و عصری تعلیم

۱) احسن القواعد ۔ نورانی قاعدہ ۔ پارۂ عم

۲) اشاعتی اردو قاعدہ۔دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ا۔تعلیم الاسلام۔اردو زبان کی پہلی کتاب مع تحریری مشق

۳) مراٹھی ۔ ریاضی ۔ انگریزی ۔ عام معلومات
۴) اردو ۔ عربی تحریری مشق

متفرقات مع صحت وترجمہ

۱) کلمۂ طیبہ ۔ کلمۂ تشہد ۔ ثناء ۔ التحیات ۔ درود شریف۔دعائے ماثورہ ۔ ایمان مجمل وایمان مفصل نماز کی عملی مشق
۲) ایک تا ۲۰ حدیث از چہل حدیث
۳) مسنون دعائیں : کھانے سے پہلے وبعد کی دعا
۴) اگر کھانے سے پہلے کی دعا نہ پڑھے تو یاد آنے پر پڑھنے کی دعا۔ کسی کے یہاں دعوت کھانے کے بعد کی دعا۔ بیت الخلاء میں جانے اور باہر نکلنے کی دعا۔ اذان کا جواب اور اذان کے بعد کی دعا
۵) مسجد میں داخل ہونے اور نکلتے وقت کی دعا

سال دوم

ناظرۂ قرآن مع اجرائے قواعدِ تجوید وعصری تعلیم

۱) ناظرۂ قرآن مجید (پ ۱ تا پ ۸)
۲) ہدیۂ بنات حصۂ اول (ص ۱ تا ص ۸۲)
۳) دینی تعلیم کا رسالہ ۲ ۔تعلیم الاسلام ۲ ۔ اردو زبان کی دوسری کتاب مع تحریری مشق
۴) تاریخ الاسلام اول (مولانا محمد میاں صاحبؒ)
۵) مراٹھی ۔ ریاضی ۔ انگریزی ۔ عام معلومات
۶) اردو وعربی تحریری مشق

متفرقات مع صحت وترجمہ

۱) کلمۂ تمجید ۔ کلمۂ توحید ۔کلمۂ ردِّ کفر ۔ نماز کی عملی مشق
۲) ۲۱ تا ۴۰ حدیث از چہل حدیث

۳) ربنا ۱ تا ۲۰ ازچہل ربنا
۴) حفظ پارۂ عم (سورۃ الفجر تا سورۃ الناس)
۵) آداب تلاوت قرآن مجید ۔کھانے اور پینے کی سنتیں
۶) مسنون دعائیں : گھر میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا ۔سواری پر سوار ہونے کی دعا ۔ مجلس کے اختتام کی دعا ۔ آئینہ دیکھنے کی دعا ۔دعائے قنوت

سال سوم

ناظرۂ قرآن مع اجرائے قواعدِ تجوید وعصری تعلیم

۱) ناظرۂ قرآن مجید (پ ۹ تا پ ۲۳)
۲) ہدیۂ بنات حصۂ اول (ص ۸۳ تا ختم کتاب)
۳) ہدیۂ بنات حصۂ دوم مکمل۔تعلیم الاسلام ۳و۴۔اردو زبان کی تیسری کتاب مع تحریری مشق
۴) تاریخ الاسلام دوم (مولانا محمد میاں صاحبؒ)
۵) مراٹھی ۔ ریاضی ۔ انگریزی ۔ عام معلومات
۶) اردو وعربی تحریری مشق مع املاء نویسی

متفرقات مع صحت وترجمہ

۱) نماز کی عملی مشق
۲) ربنا ۲۱ تا ۴۰ ازچہل ربنا
۳) حفظ پارۂ عم (سورۃ النبأ تا سورۃ الغاشیہ)
۴) فرائض وضو ۔فرائض نماز ۔ شرائط نماز۔ فرائض غسل
۵) سونے کی سنتیں
۶) مسنون دعائیں : صبح وشام کی مسنون دعائیں۔حفظِ سورۂ یٰسین

سال چہارم

ناظرۂ قرآن مع اجرائے قواعدِ تجوید وعصری تعلیم

۱) ناظرۂ قرآن مجید (پ ۲۳ تا پ ۳۰)
۲) منتخب احادیث ۔ بہشتی زیور۔ سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔
۳) خلافتِ راشدہ حصۂ اول ۔ اسلام کیا ہے ؟
۴) مراٹھی ۔ ریاضی ۔ انگریزی ۔ عام معلومات

متفرقات مع صحت وترجمہ

۱) نماز کی عملی مشق ۔ چہل اللہم
۲) حفظ آیت الکرسی ۔ سورۃ الجمعۃ ۔ سورۃ الملک ۔ سورۂ یٰسین
۳) مکمل پارۂ عم کا دور
۴) سلائی مشین ۔ کشیدہ کاری وغیرہ

اسکالرشپ:

جامعہ اکل کو اطلبہ کے پیشہ ورانہ کورسز کی تکمیل کے لیے اسکالرشب اور وظیفے بھی مہیا کرتا ہے جس کے دو طریقے ہوتے ہیں، ایک طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ رقم کی مخصوص ومعین مقدار طالب علم کو ہر ماہ اس کے خرچ اور اس کو کورس کے اعتبار سے طالب علم تک پہونچا دی جاتی ہے۔ دوسرا طریقہ اسکالرشپ دینے کا، جامعہ نے یہ طے کیا ہے کہ کورس کی اہمیت ووقعت کے تئیں سالانہ اسکالرشپ طالب علم کو یک مشت رقم کی شکل دے دی جاتی ہے، جس سے وہ اپنی ضروری فیس لازمی کتابیں اور وسائل تعلیم خرید کر تعلیم میں یکسوئی سے ترقی کر سکے۔ ضروری کاغذات کی فراہمی اسکالرشپ کے اجرا کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسکالرشپ کے لیے طالب علم کی پیشہ ورانہ تعلیم کا فی الوقت جاری رہنا بھی ایک امر لازم ہے۔

جزوی تعاون برائے اسکول وکالج:

جامعہ اکل کوا اپنی نگرانی میں چلنے والے اسکول وکالج کی ہمہ جہت دیکھ ریکھ اور نگرانی تو کرتا ہی ہے لیکن دوسری اسکول وکالج کے ضروری سامان فراہمی میں بھی جامعہ اکل کوا مال ونقدی تعاون کے لیے کمر بستہ رہتا ہے۔ مثلاً کسی کالج میں سائنس لیبورٹیری کی شدید ضرورت ہے، کالج کے لوگوں کی اپلیکیشن پر جامعہ ان کا جزوی تعاون کر کے ان کی ترقی کی راہ ہموار کرتا ہے، امسال جامعہ نے ایسے جزوی تعاون ۸؍اسکولوں میں ہیں جہاں فرنیچر اور لیباریٹری کی ضرورت شدید طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

شعبۂ نشر واشاعت

جامعہ کا یہ شعبہ بہت ہی فعال شعبہ ہے، جہاں رئیس الجامعہ کی نگاہ اندرونِ جامعہ طلباء کی تعلیم وتربیت پر ہے، وہیں باہری حالات پر بھی آپ کی گہری نظر ہے، باہر کی مسموم ہواؤں سے ہمارا سماج ومعاشرہ، بدعات وخرافات، ضلالت وگمراہی سے متأثر نہ ہو، اس کے لیے آپ نے مختلف زبانوں میں ماہنامے اور رسائل جاری کئے تا کہ ان اصلاحی مضامین کو پڑھ کر اپنے مذہب ومسلک پر مضبوطی کے ساتھ کار بند رہ سکیں، اور کسی قسم کے شکوک وشبہات میں نہ پڑ سکیں۔

جامعہ سے کئی دینی واصلاحی مجلّات شائع ہوتے ہیں:

گجراتی ماہنامہ ''بیان مصطفیٰ'':

جامعہ اکل کوا اپنے دینی ومذہبی اور سیاسی وسماجی مفید ترین مقاصد کو پوری دنیا کے افراد تک پہونچانے کے لیے جہاں افراد سازی کی فہم مدارس روانی کے ساتھ آگے بڑھاتا جارہا

ہے، ٹھیک اسی طرح نقوش وتحریر کی شکل میں اپنا پیغام انمٹ بنانے اور لوگوں کو دنیا وآخرت میں مفید تر شخصیت میں اجاگر کرنے کے لیے کتابوں، رسالوں، میگزینوں، اور مختلف النوع لٹریچر کی شکل میں اپنی مہم کو تیز تر کیے ہوئے ہے۔

سب سے پہلے جامعہ نے گجراتی زبان میں ایک ماہنامہ ''بیان مصطفیٰ'' کے نام سے نہایت محدود شکل میں نکالا تھا، جس کا دائرہ کار اور دائرہ اثر اب بڑھ کر اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ ہر ماہ بیان مصطفیٰ 12000 کی تعداد میں چھپ کر قوم وملت کے پیاسے افراد کی علمی وعملی تشنگی دور کرتا ہے، جب یہ رسالہ ابتدا میں ۱۹۹۳ء میں نکلنا شروع ہوا تھا تو صرف ۱۸۱ رممبر تھے اور آج اس کی تعداد بڑھ کر 12000 ہو چکی ہے۔

سہ ماہی مجلّہ ''النور'' (عربی):

جامعہ اکل کوا نے قرآن کریم کی عربی زبان کی اہمیت وافادیت اور اشدیت وضرورت کے تئیں ۱۹۹۵ء میں سہ ماہی مجلّہ ''النور'' عربی کا آغاز کیا جو تادم تحریر پوری رونق وجلوہ مانی کے ساتھ اپنی کرنیں عجم عرب تک بکھیر رہا ہے۔

ماہنامہ مجلّہ ''شاہراہِ علم'' (اردو):

اردوداں طبقہ کی ملک کے کونے کونے سے یہ آواز مسلسل سنائی دے رہی ہیں کہ جامعہ اکل کوا اردو رسالے کا کب آغاز کر رہا ہے، طلبہ، اساتذہ منتظمین، محبان قوم وملت کی آواز پر آج سے ۸ رسال قبل ''شاہراہ علم'' کے نام سے ماہنامہ مجلّہ بھی جامعہ اکل کوا سے نکلنا شروع ہوا، جو اس وقت 4000 کاپی کے ساتھ اپنی خدمت انجام دے رہا ہے۔

شاہراہ علم کے چند خصوصی شمارے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) فقہ المناسبات: (اسلامی مہینوں کے مسنون اعمال اور بدعات اور انگریزی مہینوں میں منائے جانے والے ڈیز کی حقیقت واحکام پر مبنی ہے)۔

(۲) تعارف العلوم: (جو درس نظامی میں پڑھائے جانے والے تیس علوم کے تعارف پر مبنی ہے)۔

(۳) دفاع حبیب کبریاء: (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کارٹون کے ذریعہ سے کئے گئے اعتراضات کے جواب پر ایک دستاویز ہے)۔

(۴) توشۂ طلباء۔

(۵) جامعہ نمبر وغیرہ انتہائی محقق انداز میں منظر عام پر آکر لوگوں کی داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔

(۶) دورِ حاضر کی تحریکات، فتنے، فرقے، سازشیں اور ہمارا لائحہ عمل۔

۳۵۷ صفحات پر مشتمل اس خصوصی شمارے میں عصر حاضر کے ۳۵ فرقوں اور عصر حاضر کی تین اسلامی تحریکات کا تفصیلی تعارف؛ اسی کے ساتھ ساتھ تقریباً ۱۰۱ اسلام مخالف سازشوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اور اخیر میں اکابرین کی تحریرات سے ان فتنوں اور سازشوں سے بچنے کی تدابیر بیان کی گئی ہے۔

ان مجلّات ثلاثہ کے علاوہ جامعہ کے دار الافتاء سے ''محقق ومدلل جدید مسائل'' جس میں عبادات، معاشرت اور معیشت وتجارت کے جدید مسائل محقق ومدلل انداز میں شائع ہو چکے ہیں، جو اردو زبان میں جدید مسائل پر ایک انتہائی وقیع اور عظیم کام ہے، اس کی جلد ثانی بھی زیر طبع ہے۔ ان شاء اللہ جدید مسائل کا ایک عظیم موسوعہ تیار ہونے جا رہا ہے۔

علاوہ ازیں ''المسائل المهمة فيما ابتلت به العامة'' کی چار جلدیں بھی

ابتلاءعام مسائل اوران کے دلائل کے ساتھ منظرعام پرآچکی ہیں،اوراس کے علاوہ مختلف جداری پمفلیٹ وغیرہ بڑے پیمانے پرشائع ہوتے رہتے ہیں۔

نیز علماءحق خاص طورپرعلماءدیوبند کی تازہ تصانیف،مؤلفین ومصنفین کی حوصلہ افزائی کی خاطرایک بڑی تعداد میں خریدکرجامعہ کے طلباءمیں تقسیم کی جاتی ہے۔

مطبوعات جامعہ:

(۱)فضائل تجارت(گجراتی)۔مترجم:حضرت مولاناغلام محمدصاحب وستانوی

(۲)المسائل المهمة فيما ابتلت به العامة:جلداول،ثانی وثالث۔

مؤلف:حضرت مولانامفتی محمدجعفرصاحب ملی رحمانی

(۳)تعلیماتِ اسلام۔مؤلف مولانامسیح اللہ خان صاحبؒ

(۴) المذكرات التفسيرية۔مؤلف:حضرت مولاناعبدالرحیم صاحب فلاحی

(۵)تفسیرعثمانی۔مؤلف:شیخ الاسلام حضرت مولاناشبیراحمدعثمانیؒ

(۶)محقق ومدلل جدیدمسائل۔مؤلف:حضرت مولانامفتی محمدجعفرصاحب ملی رحمانی

(۷)مہدسےلحدتک۔مؤلف:حضرت مولانامصطفیٰ صاحب مظاہری

(۸)ترجمہ منتخب آیات قرآنی۔مؤلف:حضرت مولانانظام الدین صاحب قاسمی

(۹)حضرتِ وستانوی کی پرسوزمجلس ذکر۔مؤلف:حضرت مولانانظام الدین صاحب قاسمی

(۱۰)تذکرۂ اکابر۔مؤلف:حضرت مولانانظام الدین صاحب قاسمی

(۱۱)منتخب تقاریر۔مؤلف:حضرت مولانانظام الدین صاحب قاسمی

(۱۲)اشاعتی اردوقاعدہ۔مؤلف:حضرت مولانانظام الدین صاحب قاسمی

(۱۳) چہل اللہم۔ مؤلف: حضرت مولانا نظام الدین صاحب قاسمی

(۱۴) چہل ربنا۔ مؤلف: حضرت مولانا نظام الدین صاحب قاسمی

(۱۵) جامعہ اکل کوا تاریخ وخدمات کے آئینے میں۔

مؤلف: حضرت مولانا نظام الدین صاحب قاسمی

(۱۶) ملفوظاتِ وستانوی۔ مؤلف: مولانا شبیر احمد اشاعتی

(۱۷) ترادف الالفاظ فی القرآن۔ مؤلف: حضرت مولانا عبدالستار صاحب قاسمی

(۱۸) اسلام اور سائنس خصوصی شمارہ شاہراہ علم

(۱۹) ٹیلی فون پر گفتگو کے اسلامی آداب۔ مؤلف: حضرت مولانا افتخار احمد قاسمی بستوی

(۲۰) دیوانِ امام شافعی: مؤلف: حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم

(۲۱) نئے سال کی آمد آمد۔ مؤلف: ابوالنصر

(۲۲) جمہوریت: حقوق کی ادائیگی اور فرائض شناسی۔ مؤلف: ابوالنصر

(۲۲) ماہِ فروری کا منکرِ عظیم اور صفر المظفر کے احکام۔ مؤلف: ابوالنصر

(۲۳) الانتباهات المفيدة عن الاشتباهات الجديدة۔

محشی: حضرت مولانا حکیم فخر الاسلام صاحب الہٰ آبادی

(۲۴) نماز پڑھنے کے فوائد اور چھوڑنے کے نقصانات۔

مؤلف: حضرت مولانا حذیفہ صاحب وستانوی

(۲۵) رمضان کیا، کیوں اور کیسے؟ مع مسائل رمضان۔

مؤلف: حضرت مولانا حذیفہ صاحب وستانوی

(۲۶) رمضان اور ہمارے اسلاف۔ مؤلف: حضرت مولانا حذیفہ صاحب وستانوی

(۲۶) اشاعتی بیت بازی۔ مؤلف: حضرت مولانا ولی اللہ صاحب ولیؔ قاسمی بستوی
(۲۷) ذرہ سے آفتاب۔ مؤلف: مولانا زبیر صاحب اعظمی/مولانا نظام الدین صاحب قاسمی
(۲۸) کمپیوٹر کی معلومات پر مشتمل اردو میں پہلی مختصر، جامع اور واضح کتاب۔
مؤلف: مولانا محمد مہر علی قاسمی/ دھنباد جھارکھنڈ

نصاب سے زائد مفید منصوبے:

جامعہ اکل کو اطلبہ کو شش جہات ترقی سے ہم کنار کرنے کے لیے نصاب سے زائد بھی کچھ مفید چیزیں تعلیم کے لیے رکھتا ہے جس سے طالب علم کی خوابیدہ صلاحیت پوری طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے، اور طالب علم کے اندر حسن اخلاق، تہذیب وتمدن اور بود و ماند کے قبیل سے احساس ذمے داری بیداری ہو جاتی ہے۔

مسابقاتی مہم:

جامعہ اکل کو تعلیم کے میدان میں آخری حد تک کامیابی کی منزل کا نشان پالینے کے مقصد سے مدارس و جامعات اور اسکول و کالجز کے درمیان مسابقاتی مہم بھی چلاتا ہے جس سے طلبہ واساتذہ دونوں کو اپنی علمی وتدریسی حدود کو بہتر سے بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے، ہم نے ابھی تک قرآن، حدیث، تفسیر، نحو وصرف، تجوید وقراءت، اذان، خطبہ، اور عربی، اردو، انگلش تقاریر کے مسابقات کے ذریعہ طلبہ کا معیار تعلیم اونچا بنانے میں کافی کامیابی حاصل کی ہے جو محض خدا کا فضل ہے۔

یہ مسابقات اندورن مدارس، بیرون مدارس، صوبہ جاتی لیول پر اسی طرح کل ہند لیول پر ہو چکے ہیں، جن میں ا سے دس نمبرات تک کامیابی پانے والوں کو گراں قدر انعامات سے نوازا جا چکا ہے۔

انجمن اصلاح الکلام:

جامعہ اکل کوا نے طلبہ کے اندر تقریری وتحریری خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے انجمن اصلاح الکلام کو تشکیل دیا ہے، اس انجمن میں جامعہ اکل کوا کی تمام طلبہ فارسی جماعت سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک فعال حصہ لیتے ہیں، ایک طالب علم کی ہر پندرہ روز میں طلبہ کے سامنے تقریریں کرنے کی باری آتی ہے، جس میں طالب علم کو لازماً ۱۰ر منٹ کی تقریر پیش کرنا ہے۔

اسی انجمن کے پلیٹ فارم سے طلبہ اپنی تحریری استعداد کو بھی جلا بخشتے ہیں، تقریباً ۲۰ر دیواری پرچے مختلف موضوعات پر طلبہ کی تحریری صلاحیتوں کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔

النادی العربی:

جامعہ نے روز اول سے اس بات کا خیال رکھا کہ جہاں طلبہ اپنی تمام درسی کتابیں درس نظامی نصاب کی عربی زبان وادب ہی کو میڈیم بنا کر پڑھتے ہیں وہیں انھیں عربی زبان وادب سے فہم کی حد سے اگے بڑھ کر نطق وکلام کی حد تک بھی ماہر بننا چاہیے، اس لیے النادی العربی کا قیام عمل میں آیا۔ یہ عربی انجمن ہے اس میں عربی درجات کے تمام طلبہ منتخب ماہر اساتذہ کی نگرانی میں عربی ادب کے تعلیمی گھنٹوں میں جمعرات کے روز عربی زبان میں تقریری طبع آزمائی کرتے اور اپنے اپنے جوہر دکھلاتے ہیں۔ اور سال کے اخیر میں عربی زبان میں مسابقاتی مہم بھی چلائی جاتی ہے، اور اردو کی طرح عربی کی تقریروں میں حصہ لینے والوں کو، گراں قدر اور بیش قیمت انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے۔

لجنۃ القرأت والتجوید:

جامعہ نے تجوید وقرأت جو زور دیا ہے، اس کی ایک کڑی ''لجنۃ القرأۃ والتجوید'' بھی ہے، ہر ہفتہ بدھ کو بعد نماز عشاء عربی درجات کے طلبہ اپنے شعبوں میں اور حفظ کے طلبہ اپنی درس گاہوں ایک دورکوع ترتیل، تدویر، اور حدر کے ساتھ طلبہ کی انجمن میں سناتے ہیں، جس کی ان کی مشق ہوتی ہے، اور اژدحام میں ان کی جرأت کو جلا ملتی ہے۔

انجمن ثمرۃ التربیۃ:

تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ چھوٹی عمر کے طلبہ کے اندر بولنے اور تقریر کرنے کی صلاحیتوں کو ابھارنے کے لیے ''انجمن ثمرۃ التربیہ'' کا قیام عمل میں آیا ہے۔ ہر ہفتہ اپنی باری پر طلبہ الگ الگ عنوانات سے تقریر کرتے اور جرأت دکھاتے ہیں۔ اس کا بھی نتیجہ نہایت عمدہ ہے۔

مسابقے

دینی وتعلیمی میدان میں شاہراہ ترقی پر گامزن رہنے بل کہ تیز گام بنانے کے لیے جامعہ نے طالبانِ علوم نبوت کے درمیان مسابقاتی مہم بھی بڑی سرگرمی سے چھیڑ رکھی ہے جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ طلبہ اپنے تعلیمی میدان میں خوب سے خوب تر نتیجہ حاصل کریں۔ مسابقاتی مہم حفظ قرآن، تفسیر، تجوید، صرف ونحو، حفظِ حدیث، خطبات و اذان کتابت وغیرہ بے شمار چیزوں میں جاری رہتی ہے؛ یہ مسابقے اندرون جامعہ کے ساتھ پورے ملک ہی میں صوبائی وملکی پیمانے پر بھی منعقد کئے جاتے ہیں جس میں طلبہ کی مختلف النوع سرگرمیاں سامنے آتی ہیں۔ اور طلبہ تمام فروعات میں پوری دل چسپی کے

ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لیے بے تاب بل کہ ماہی بے آب سے رہتے ہیں۔ جامعہ ایک سال کے دوران مسابقاتی مہم کی تین دورانیے رکھتا ہے۔ جس میں کامیاب طلبہ کو حوصلہ افزائی کے مدنظر کافی مقدار میں نقدی وغیر نقدی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

یہ بات عیاں ہے کہ ہر دور میں مسلمانوں نے قرآن کریم کے حفظ وتجوید اور تفسیر کی جانب ہر اعتبار سے توجہ مبذول کی، اس لحاظ سے یہ زمانہ سبقت اور دور کا زمانہ کہلاتا ہے۔ الحمد للہ! اس کو حسن اتفاق ہی کہئے کہ ایک مرتبہ احقر (غلام محمد وستانوی) نے اپنے زیارتِ حرمین شریفین کے ایک قدیم سفر پر حکومت سعودی کی جانب سے خادم الحرمین الشریفین کے ایماء پر مکہ مکرمہ میں عالمی مسابقۃ القرآن الکریم منعقد ہوا تھا، جس میں شرکت کی سعادت حاصل رہی۔ اسی مقدس سفر سے واپسی پر یہ عزم کیا کہ انشاء اللہ اس مسابقۃ القرآن کے طرز پر ہندوستان میں بھی قرآنی مسابقات کی داغ بیل ڈالوں گا؛ وطن واپسی کے بعد علماء وحفاظ وقراء کو اس پر آمادہ کیا اور پھر جامعہ کی سرزمین سے اس کا آغاز بھی کیا۔ پہلے صوبائی پیمانہ پر مسابقات کی طرح ڈالی اور پھر الحمد للہ کل ہند مسابقۃ القرآن کا بھی جامعہ کے احاطہ میں انعقاد کیا۔ جامعہ نے آج تک کل ۲۰۳ر صوبائی مسابقات مختلف مدارس ومراکز اسلامیہ میں منعقد کیے، ان میں سے ۴۸ر مسابقات داخلی ہوئے اور ۳۵ر مسابقات جامعہ کی شاخوں کے طلبہ کے درمیان۔

الحمد للہ! جامعہ نے ۲۷ر صوبہ جات کے مختلف ۳۰ر اضلاع میں فروری، مارچ، اپریل ۲۰۱۲ء کی مختلف تاریخوں میں مسابقات منعقد کیے۔ ماضی میں منعقد شدہ مسابقات کا مختصر ساخاکہ پیش خدمت ہے:

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کی نگرانی میں منعقدشدہ مسابقات بیک نظر

شمار	نوعیت مسابقہ	سن انعقاد	صوبہ جات	مدارس	مساہمین
۱	پہلا صوبائی مسابقہ	۱۹۹۴	۷	۱۱۷	۴۲۱
۲	دوسرا صوبائی مسابقہ	۱۹۹۸	۱۴	۵۸۵	۳۰۳۲
۳	تیسرا صوبائی مسابقہ	۲۰۰۱	۲۳	۹۰۵	۴۴۷۴
۴	چوتھا صوبائی مسابقہ	۲۰۰۳	۲۵	۱۰۳۴	۳۰۴۱
۵	پانچواں صوبائی مسابقہ	۲۰۰۶	۲۷	۱۱۲۲	۴۳۹۷
۶	چھٹا صوبائی مسابقہ	۲۰۰۹	۲۱	۱۱۲۳	۵۳۹۶
۷	ساتواں صوبائی مسابقہ	۲۰۱۲	۲۷	۱۵۴۸	۴۱۲۵
۸	پہلا کل ہند مسابقہ	۱۹۹۴	۷	۵۴	۱۵۵
۹	دوسرا کل ہند مسابقہ	۱۹۹۸	۱۵	۱۳۶	۲۱۳
۱۰	تیسرا کل ہند مسابقہ	بعض ملکی حالات کے باعث یہ مسابقہ نہ ہوسکا۔			
۱۱	چوتھا کل ہند مسابقہ	۲۰۰۳	۲۵	۲۰۳	۳۹۴
۱۲	پانچواں کل ہند مسابقہ	۲۰۰۶	۲۷	۱۰۸۸	۳۰۴۱
۱۳	چھٹا کل ہند مسابقہ	۲۰۰۹	۲۲	۲۵	۳۶۹
۱۰	ساتواں کل ہند مسابقہ	یہ مسابقہ انشاء اللہ بتاریخ: ۲۰، ۲۱، ۲۲/ جمادی الاولیٰ مطابق: ۱۳، ۱۴، ۱۵/ اپریل ۲۰۱۲ء کو جامعہ کے احاطہ میں منعقد ہوگا، مسابقہ کی کامیابی کے لئے دعاء فرمائیے۔			

مطبخ

جامعہ کا مطبخ نہایت فعال پوزیشن کے ساتھ 11500 طلبہ کو صبح کا چائے ناشتہ دوپہر اور شام کا کھانا، موسم کے لحاظ سے پیش کرتا ہے، جامعہ کے دینی وعصری دونوں طرح طلبہ اسی مطبخ سے مستفید ہوتے ہیں۔ ایک جگہ بیٹھ کر مختلف نشستوں میں کھانا کھلانے کا، جامعہ کا نظام قابل دید وقابل رشک ہونے کے ساتھ ضرب المثل بھی ہے۔

مطبخ میں استعمال ہونے والے اشیاء کی تفصیل حسب ذیل ہیں

نمبر شمار	اسمائے اشیاء	یومیہ اشیاء کی تعداد	قیمت فی کلو یومیہ	کل قیمت یومیہ
۱	چاول	۱۸/ کوئنٹل	۲۵/ روپئے	۴۵/ ہزار روپئے
۲	گیہوں	۱۵/ کوئنٹل	۱۸/ روپئے	۲۷/ ہزار روپئے
۳	کھانے کا تیل	۲۳/ ڈبّے	۱۰۵۰/ روپئے	۲۴۱۵۰/ روپئے
۴	شکر	۱/ کوئنٹل ۵۰/ کلو	۳۰/ روپئے	۴۵۰۰/ روپئے
۵	دودھ	۲۸۰/ کلو	۳۲/ روپئے	۸۹۶۰/ روپئے
۶	چائے پتی	۲۰/ کلو	۲۰۰/ روپئے	۴۰۰۰/ روپئے
۷	دھنیا	۱۵/ کلو	۱۰۰/ روپئے	۱۵۰۰/ روپئے
۸	لال مرچ	۲۵/ کلو	۱۰/ روپئے	۲۷۵۰/ روپئے
۹	زیرہ	۱۵/ کلو	۱۵۰/ روپئے	۲۲۵۰/ روپئے
۱۰	ہلدی	۱۵/ کلو	۱۸۰/ روپئے	۲۷۰۰/ روپئے
۱۱	گرم مسالہ	۱۰/ کلو	۱۵۰/ روپئے	۱۵۰۰/ روپئے
۱۲	آلو	۲۰۰/ کلو	۱۵/ روپئے	۳۰۰۰/ روپئے

۱۳	پیاز	۱۵۰/کلو	۱۰/روپے	۱۵۰۰/روپے
۱۴	ہرامسالہ	۱۵/کلو	۱۰۰/روپے	۱۵۰۰/روپے
۱۵	لکڑی	۲۰۰۰/کلو	۳/روپے	۶۰۰۰/روپے
۱۶	گوشت	۸/کوئنٹل	۵۰/روپے	۴۰۰۰۰/روپے
۱۷	سبزی	۱۰/کوئنٹل	۲۰/روپے	۲۰۰۰۰/روپے
۱۸	گیس	۳۸۰/کلو	۶۷/روپے	۲۵۴۶۰/روپے
۱۹	توردال	۳۵۰/کلو	۵۰/روپے	۱۷۵۰۰/روپے
۲۰	مکس پلسیز	۱۰۰/کلو	۶۵/روپے	۶۵۰۰/روپے
۲۱	نمک	۱۵۰/کلو	۶/روپے	۹۰۰/روپے
۲۲	ٹماٹر	۵۰/کلو	۱۰/روپے	۵۰۰/روپے
۲۳	ڈیژل	۲۵۰/لیٹر	۴۱/روپے	۱۰۲۵۰/روپے
۲۴	مزدور	۱۲۲/افراد	۱۰۵/روپے	۱۲۸۱۰/روپے
			۲۴۸۴	۲۷۰۲۳۰

یومیہ مطبخ کے خرچ کی رقم 270230 روپے بنتی ہے۔ جس کی GBP 4,150 اور .US$ 6,400 بنے گی۔

ماہانہ رقم ہندوستانی کرنسی میں 8069900/روپے بنے گی اور GBP 12,4,500 ہوگی اور US$ 37,35,000, ہے۔

سالانہ خرچ ہندوستانی کرنسی میں 80,69,9000 ہے۔ GBP 12,45,000 ہے اور US$ 37,35,0000 ہے۔

تخمیناً جامعہ کا مالی بجٹ: ۵۰ کروڑ ہوتا ہے۔

شعبۂ محاسبی

یہ شعبہ جامعہ کا ایک اہم ترین شعبہ ہے، جس میں جامعہ کے آمد وخرچ کا مکمل حساب وکتاب کمپیوٹرائز طور پر ہوتا ہے۔ سال میں ایک بار حکومت کی طرف سے آڈیٹنگ بھی ہوتی ہے۔ حکومت کی طرف سے FCR اور 80G، 35AC کا پرمیشن بھی ملا ہوا ہے۔

مستقبل کے عزائم اور منصوبے

ہمارے اور آپ کے اس جامعہ کی تمام تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں کی ترقی اور تسلسل کا مدار، ان خیر خواہان قوم وملت کی عملی ومخلصانہ جاں فشانی پر ہے جو اپنی کسبِ حلال کا ایک وافر حصہ اپنی آخرت سازی کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں؛ اس لیے ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور ان بندگان خدا کے لیے دعائیں کرتے ہوئے، آئندہ کے لیے جو عزائم و منصوبے تشکیل دے ہیں، ان قدرے تفصیل کچھ یوں ہے:

☆ مختلف النوع وسائل وسہولیات کا حامل ہاسپٹل اور میڈیکل کالج۔
☆ پرائمری اسکول اور آئی۔ٹی۔ آئی اسکول کا قیام جس میں ہوسٹل کی سہولیات بھی ہوں۔
☆ مزید ۱۰۰ر مکاتب اسلامیہ کا قیام۔
☆ جامعہ اکل کوا کے احاطہ کی مزید توسیع جس میں 15000ر طالبان علوم نبوت تمام سہولیات کے ساتھ اپنی تعلیمی ودینی سرگرمیوں کو روبہ عمل لاسکیں۔
☆ مزید ۱۰۰ر طلبہ کو پیشہ ورانہ کورسز کی تکمیل کے لیے اسکالرشپ مہیا کرنا۔
☆ ۲۵۰ر بیوہ خواتین کو مزید مالی تعاون دینا۔
☆ مطبخ کی عمارت کی تعمیر نو کا منصوبہ۔
☆ عصری کالجز کے طلبہ کے لیے ہاسٹل کی تعمیر کا پلان۔
☆ مزید ۵۰۰ر بورویل کا ضرورت مند مقامات پر انتظام۔
☆ ۳۰۰ر رہائشی عبادت خانوں کی تعمیر۔

جامعہ بیک نظر

نام	:	جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا ضلع نندوربار (مہاراشٹر)
سرپرست	:	حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم
بانی/مؤسس	:	حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم
سن تاسیس	:	۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء
تعداد ٹرسٹیاں	:	5

ابتداء ۶ / طالب سے فی الحال طلباء کی تعداد (عالمیت، دینیات، حفظ)	9664
تمام کالجوں میں موجودہ طلباء کی تعداد	3444
ابتداء ۱/ استاذ سے فی الحال اساتذہ کی تعداد	570
ابتدا ۳۱/ خادم سے فی الحال خدّام کی تعداد	294
اب تک جامعہ سے فراغت حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد	2392
اب تک جامعہ سے حفظ مکمل کرنے والے طلبا کی تعداد مع فروعات جامعہ	12799
شعبۂ افتاء کے سند حاصل کرنے والے	36
ناظرہ مکمل کرنے والے طلبہ کی تعداد مع فروعات جامعہ	48727
مومنہ کورس مکمل کرنے والی بچیاں	7021
اب تک جامعہ سے ٹیلرنگ مکمل کرنے والے طلباء کی تعداد	474
اب تک جامعہ سے کمپیوٹر کا کورس مکمل کرنے والے طلباء کی تعداد	514
اب تک جامعہ سے قرأت سبعہ عشرہ کی تکمیل کرنے والے طلباء کی تعداد	2141

آج تک جامعہ سے آئی ٹی آئی سے سند حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد	1640
آج تک ڈپلوما سے سند حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد	816
فی الحال بی فارمیسی میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد	215
آج تک میڈیکل کالج سے سند حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد	304
آج تک بی ایڈ سے سند حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد	587
آج تک ڈی ایڈ اردو سے سند حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد	590
آج تک ڈی ایڈ مراٹھی سے سند حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد	181
جامعہ اردو پرائمری اسکول کے طلبا کی تعداد	225
جامعہ انگلش میڈیم پرائمری اسکول کے طلبا کی تعداد	336

ماہنامہ رسالہ بیان مصطفیٰ (گجراتی زبان میں) جاری ہے 19 سالوں سے۔ خریدار 12000 سے زائد

سہ ماہی مجلّہ (عربی) النور جاری ہے	22	سالوں سے
ماہانہ اردو رسالہ شاہراہ علم جاری ہے	7	سالوں سے